ترتیب جدید

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

معارفِ ملّت

مرتبہ

محمد الیاس برنی۔ ایم اے ال ال بی (علیگ)

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد چہارم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علیگڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۲ ۱۹۲۳

بار سوم

قیمت عہ

اس سلسلہ کے چاروں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدیٰ خاں شروانی۔ علی گڑھ

(۲) محمد الیاس برنی۔ جام باغ حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لہاری دروازہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید ترتیبِ جدید

مُرَوّجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہی کہ اُردو شاعری کی ساری کائنات محض حُسن و عشق اور گل وبُلبل کی پُرانی داستان ہی۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اُردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہی۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ مرد ھنتے ہیں

ان کی ہم پلہ نظمیں خود ان کی اردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہے۔ امید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اردو شاعری کی قدر و محبت پیدا ہوگی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارف ملت مناظر قدرت اور جذبات فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں۔ ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں و نقادان سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمایشوں کا تار بندھ گیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہو گئیں۔ اس قدر شناسی اور ہمت افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کر دی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آئے۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر

سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہو گئیں جن میں کم و بیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمدللہ ان کتابوں نے اُمید اور توقع سے بڑھکر شہرت و مقبولیت حاصل کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیشِ نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھروں نے اِس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اِس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اِس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹیو اسٹڈی

کہتے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہے۔ مزید براں اس قسم کی ترتیب سے اردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کن کن مضامین کی فضا میں اُردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھکر بہت سے منکر اور غافل اُردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا اس سے بڑھکر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یکجا ترتیب دے دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں۔ جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں۔ میر تقی میر۔ مرزا غالب اور اکبر الہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے مُنہ سے حقایق کے پھول جھڑتے رہتے

ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کر کے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہوئی تھیں تو اکثر کے عنوان ندارد۔ پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگائے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اس خطہ کے سرسری رہ روؤں کو اکثر ایک خود رو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔ شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چارسٹ مرتب کر کے بارہ جلدیں شائع ہوئیں۔ گرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی۔ مضامین کی مجانست ترتیب کی رُوح رواں ہے۔ وافر مواد مہیا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجانست مضامین کہیں زیادہ چست اور وسیع ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں

از سر نو شائع کی جاتی ہیں اور آیندہ یہ ان کی مستقل شکل ہوگی تفصیل ملاحظہ ہو

پہلا سٹ

معارف ملّت

جلد اوّل - متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں، جن میں دین و ایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقان رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم - متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعہ کربلا کے اہ جگردوز نشتر لذت شہادت تازہ کردیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم - متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اِس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم۔ متعلق اخلاقیات یعنی اُردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول
موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم
کردیئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل قدر
تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے۔

دُوسرا سٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل۔ اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام
کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب
دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں۔
یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم۔ اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالبؔ اور اس کے خاص ہم عصر یا
خاص ہم رنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ اور حسرتؔ موہانی کے کلام کا انتخاب
غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو
گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابلِ دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب۔ شاعری کے جدید دَور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لیے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے

اُن کی سیر کراتے ہیں۔

جلد سوم ۔ متعلق نباتات وحیوانات ۔ یعنی پھول پھل، کیڑے پتنگے، تتلیاں چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہوسکے گا کہ اردو شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم ۔ متعلق عمرانیات ۔ یعنی ہندوستان کے تمدّن، رسم ورواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم ۔ سب طرح کے حالات پیشِ نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں ۔ مناظرِ قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی یہ بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں ۔ اگر آیندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاء اللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہیگی اور ہر جلد میں معارفِ ملّت ۔ مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت ۔ تینوں حصوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے۔ ہر حصّہ کی جداگانہ جلد مرتّب ہونے کا

انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو اُمید ہی کہ اُردو کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شایقین کو بلا دقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہی بلکہ اصرار تک نوبت پہونچ گئی ہی مہلت اور موقع شرط ہی۔ ممکن ہی کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللہ۔

جامع عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء

محمد الیاس برنی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی اِدبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دُنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں

رنگ گیا چنانچہ اس میں حُسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خُدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرزِ شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ اِن واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مُہذّب کلام کو لیجئے۔ اِس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں

جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، ہنستوں کو رُولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اِس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت اَدب ترقی زبان اور اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مُرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مُرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رُجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرّک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجیے اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو شاعری نے قومی تنزُّل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بار دار و یاس انگیز ہے دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، افتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سُر گم ہو تو پھر نا ممکن ہے کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو

شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی. کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑجائیں. اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہوجائے گا. علیٰ ہذا۔ قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہی لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اَب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں. حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالت موجودہ غالباً انگریزی شاعری اِس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں. مجانست مضامین کے لحاظ سے اِس کے تین جداگانہ حصے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مُرقع۔ ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نو مشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے۔ خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقائے شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ

نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے بایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر اشعار کے کچھ ٹکڑے چھٹے ہوں تو اس سے باقی اشعار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیشِ نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسبِ ضرورت ان کو از سرِ نو ملانا یا جُداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ اُمید ہے کہ اس طرح پر اردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح و جلا ہوتی

ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہے ملک کو اردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللہِ ؎

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)
محمد الیاس برنی
جولائی ۱۹۲۳ء

معارفِ ملّت

جلد چہارم

فہرستِ مضامین

[ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں]

فہرست جلد ۲

فہرست جلد ۲

معارف ملت

جلد چہارم

غلط نامہ

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
اس کی افسوں	اس سے افسوں	۵	۱
عرصہ گہہ	عرصہ گہو	۱۲	۴
تنزیہہ	تزیہ	۲	۲۰
ہر وضع	مر وضع	۱	۲۵
کیا خبر	کیا خیر	۷	۲۶
بل ہے جو	بل ہے تو	۵	۳۸
برستی	بدمستی	۱۰	۳۸
واں گل	گل واں	۱	۴۱
کیسٹر یکٹ	گیٹر یکٹ	۳	۴۷
فرصت گم ہر	غرصت کب	۱۰	۵۳
توفیر	توقیر	۵	۵۵
فدائے قامت	خدائے قامت	۹	۵۵
پر دیکھتا	یہ دیکھتا	۳	۵۶
خشمت	قسمت	۷	۵۹

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۹	۸	نہ شایاں	نہ یہ شایاں
۶۷	۱۵	سے	سنے
۷۳	۳	کارررواں	کارواں
۸۳	۱	گہر	کبر
۸۵	۵	اس نے	اس سئے
۸۶	۳	اس کے وہال	اس کے مال
۸۶	۵	دشور	دشوار
۸۷	۶	پہرا لیا	پہنا لیا
۸۸	۵	اسی میں	اس میں
۸۸	۸	دولت تو	دولت جو
۹۲	۵	جہاں میں زرو مال	جہاں میں بہ زرو مال
۹۷	۵	سے ملے	ملئے
۱۰۸	۴	گزا را	گزرا
۱۲۶	۱۱	گھرکی	گھڑکی
۱۲۷	۱۳	سمجھائیں	سجھائیں
۱۳۰	۲	گھرکی	گھڑکی

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارفِ ملّت

جلد چہارم

۱- وحدت

ہے قابلِ حمد وہ سرافراز — جو سب میں ہوا ہے جلوہ پرداز
اس کو مئے حسن نے چھکایا — ہستی کا نشہ اسی سے پایا
پی اس نے شرابِ خود پرستی — طاری ہوئی اس پہ زورِ مستی
وہ مستِ شرابِ ناز ہے فرد — خورشید ہے اس کا جام پر درد
ہے گردشِ چشم اس سے افسوں — پھر جائے ہے جس کے ساتھ گردوں
ظلمت ہے دوئی کی تجھ سے احول — آخر ہے وہی، وہی ہے اوّل

جلد ۲

عالم سے ہے قرابۂ مئے خام — ہے دورِ سپہر گردشِ جام

مشہورِ جہاں جو کیف و کم ہے — بے نشہ جو ہوئے تو ستم ہے

وہ مستِ نیاز ہے حرم میں — وہ رفتۂ ناز ہے صنم میں

ہے آبِ رخِ زمانہ اس سے — روشن ہے تمام خانہ اس سے

شمشاد ہے سرفراز اس سے — گل دیدۂ نیم باز اس سے

خو گر اسے تازہ پیشگی ہے — وہ ہے کہ جسے ہمیشگی ہے

جو عکس پڑا ہے جامِ مے میں — آتی ہے صدا اسی کی نے میں

ہے جلوہ گری میں یاں بصد ناز — وہ مستِ گزارہ و سر انداز

سو رنگ ہیں اس کے یاد رکھ تو — ہر جلوے سے دل کو شاد رکھ تو

کم میں جو کچھ نمود میں ہے
ہر لحظہ اسے سجود میں ہے

میر

۲۔ معرفت

وہ قابلِ مدحت و ثنا ہے — جو فرطِ ظہور سے چھپا ہے

جلد۲

شائستۂ حمد ذات اس کی — مظہر ہے یہ کائنات اس کی
ہر فرد کو اس سے فی الحقیقت — ہے معنی و لفظ کی سی نسبت
حاضر نہ تھا اس کے علم میں کب — علمیہ صور اسی کے ہیں سب
رنگیں یہ مرقع پر اشکال — یہ آئینہ عجیب تمثال
یہ صفحۂ گونہ گوں تصویر — یہ نازکی قلم یہ تحریر
یہ کارگہ غریب و دلکش — یہ خانۂ شش جہت منقش
جانے ہی جسے ہے عقل سے ساز — برہان وجود نقش پرداز
ہے صنع دلیل بود صانع — صنعت نمو ہے وجود صانع
یہ صنع بہت ہے فہم سے دور — ظلمت کو ہو قابلیت نور
ہو مادہ نور کا سیاہی — اللہ رے حکمت الٰہی
کیا شے ہے وہ جس کو کہتے ہیں جان — ہیں یاں تو قیاس و فہم حیران
ہے سر عظیم اس میں مستور — ہے گنج سے یہ طلسم معمور
اس درج میں ہے وہ گوہر تر — ہیں جس کے پرکھنے والے کمتر
وہ دُر اس خاک میں ہے روپوش — جاں جس کو کہیں ہیں صاحب ہوش
جاں وہ کہ ہے جس سے زندگانی — جاں زور ہے راز ہے نہانی

اس راز سے کس کو آگہی ہے — یاں مبتدی ہی جو منتہی ہے
ممکن نہیں جبکہ جان کا عرفاں — کب فہم میں آوے خالقِ جاں
ادراک کا عجز یاں ہی ادراک — ہے دال یہ قول "ما عرفناک"
کیا پا سکے اس کو عقل والا
ما اعظم شانہٗ تعالیٰ

راسخ عظیم آبادی

۳- معرفت

اے صفتِ ذات میں تجھکو ظہور و خفا — چشمِ سر و چشمِ سر حسن پہ تیرے فدا
دیکھ کے نورِ جمال سوچ کے کنہِ کمال — مائلِ حیرت نظر- قائلِ حسرت ذکا
باز ہو گر راہِ دید- تو ہے ہر اک سو پدید — آئینہ خانہ جہاں، حسن ترا جلوہ نما
عاشق و ہمخانگی، عاقل و بیگانگی — عقل برون در و عشق درونِ سرا
خاطر و شوقِ وصال دیدہ و دیدِ جمال — صحبتِ سیماب و نار الفتِ برق و گیا
دشتِ خودی پر فتن غول ہوا راہزن — خضر ز خود رفتگی تا بحرم رہ نما
پائے خرد آبلہ سعی بلا راحلہ — عرصہ گہِ معرفت بے سر و بے انتہا

جلد ۴

خستہ سراسر خطر ہر قدم و نیشتر — شوق و جنوں نیزہ و عقل و فنوں خستہ پا
خوں میں لطپاں سو لبِ جاں و تمنا و آرزو — ہر طرف اس دشت میں ہر کہ کربلا
ترسِ منا جانیاں ناز و خرد باتیاں — کرکے گمانِ غضب رکھ کے یقینِ عطا
اس درِ ستر پہ خوں ہو وقت گزر — جانِ چگون و چان زہرۂ چون و چرا
اس درِ ایوان تلک اس مردِ امان تلک — ہائے قیاسات لنگ دستِ حجج نارسا
شکل و نتیجہ ہے ہیچ فکر تلی پیچ پیچ — منطقی ہرزہ گو فلسفی ژاژ خا
چشم بابیں آتش تاب کیا ہی بجز قطرۂ آب — تس میں حقائق شناس دی ہی نگاہِ رسا
سینہ ہی صندوقِ راز نطق کرے قفل باز — ایک ہے گنجِ ہنر ایک خزائن کشا
واقفِ اسرار تو کاشفِ استار تو — کیا تری درگاہ میں حاجتِ عرض و دعا
ایک سا تجھ پہ عیاں حالِ سکوت و بیاں — لیک مجھے عرض سے آپ ہی آیا مزا

یہ جو ہے ممنون ترا بندۂ دل خوں ترا
تجھ سے ہی چاہے تجھے کس سے کرے التجا

ممنون

جلد۴

۴۔ معرفت

خدایا نہیں کوئی تیرے سوا — اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا
تصوّر تری ذات کا ہے محال — کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال
تعقل میں اتنی صفائی کہاں — تفکر کو ویسی رسائی کہاں
یہاں عقل جاتی ہے آئی ہوئی — تخیل پہ ہیبت ہے چھائی ہوئی
تفکّر کے جلتے ہیں پر اس جگہ — تصوّر کا کٹتا ہے سر اس جگہ
نہ ٹھیری کوئی ناؤ اس موج میں — نہ پہنچا کوئی تیر اس اوج میں
جلا اس ہوا میں نہ کوئی چراغ — پریشاں ہوئے دل تھکے سب دماغ
جو ہوتی مشابہ ترے کوئی چیز — تو کچھ کام کرتی سمجھ یا تمیز
ترا کوئی ہمجنس و ہمتا نہیں — گماں کا یہاں پاؤں جمتا نہیں
سمجھ کیا ہے اور کیا سمجھ کی بساط — سمندر سے قطرے کا کیا ارتباط
چلی بوند لینے سمندر کی تھا — یکایک لیا موج نے اس کو کھا

ہوئی آپ ہی گم تو پائے کسے
بتائے وہ کیا اور جتائے کسے

اسمٰعیل

جلد ۴

۵۔ حمد باری تعالیٰ

خدایا اول و آخر بھی تو ہے
خدایا باطن و ظاہر بھی تو ہے

وہ اول تو کہ ہے آخر سے آخر
وہ آخر تو کہ ہے اول سے فاخر

وہ اول تو کہ نا محرم بدایت
وہ آخر تو کہ ناپید انہایت

نہیں اول کو آخر سے جدائی
ورائے عقل ہے تیری خدائی

جو آخر ہے وہی اوّل بھی تھا تو
وہی جو آج ہے سو کل بھی تھا تو

ہے تیرا اول و آخر مطابق
نہ تیرے ساتھ لاحق ہے نہ سابق

جو اول ہے تو پہلے اور تھا کون
جو آخر ہے تو پیچھے رہ گیا کون

جو باطن ہے تو باطن کا پتا کیا
جو ظاہر ہے تو ہی تیرے سوا کیا

ہے تو باطن میں ظاہر بلکہ اظہر
بظاہر بن گیا تو عین مظہر

ترا اخفا ہے گویا عینِ اظہار
ترا اظہار ہے اخفائے اسرار

کھلا جتنا ہوا اُتنا ہی مستور
چھپا جتنا رہا کھلتا بدستور

ازل سے تا ابد ہے ایک ہی شان
ترا طغرا ہے الآن کما کان

مبرا قید اور اطلاق سے تو
منزہ انفس و آفاق سے تو

مگر مطلق میں ہی تو عین مطلق نہ جامد ہے نہ مصدر ہی نہ مشتق
مقید میں مقید ہے تری ذات نہیں ہوتا کسی خانہ میں تو مات

ہے اصلِ روح تو روحانیوں میں ہے قیدِ جسم تو جسمانیوں میں
اگر ناسوت میں ہی موجِ پر جوش تو ہی لاہوت میں دریائے خاموش
اگر جبروت میں بانگِ انا ہے صف ارواح میں حمد و ثنا ہے

تو ہی ہے علم عالم بلکہ معلوم تو ہی ہے رحم و راحم بلکہ مرحوم
تجھے نسبت ہے لا شئے سے نہ شئے سے غنی ہے تو نہیں سے اور ہے سے
تری وحدت میں کثرت ہے نمودار کہ ہے کثرت نہیں وحدت کا اظہار

نہ ہو وحدت تو کثرت بھی عدم ہے حدوثِ آئینہ حسنِ قدم ہے
زمین و آسماں کا نور ہے تو مگر خود ناظر و منظور ہے تو
سوا تیرے نہیں موجود کوئی نہ عابد ہے نہ ہے معبود کوئی
ازل سے دائم المعروف ہے تو ابد تک خود بخود موصوف ہے تو
تری رحمت ہی یہ جلوے دکھاتی ہے قہاری تری سب کو مٹاتی
مسلّم ہے تجھی کو حکمرانی کہ تیری سلطنت ہے جاودانی
ہو الموجود ہے تجھ سے عبارت ہو المقصود ہے تجھ سے اشارت

جلد ۴

اسے نہیں تو ہیں زنہار معدود
حصر ہے تو نہ والد ہے نہ مولود

عیاں دیکھا تو پوشیدہ غیب میں
نہاں ڈھونڈا تو آیا رنگ و بو میں

نہ پایا ہے نہ پائے گا کبھی تو
کہ ہے معروف و عارف آپ ہی تو

تصور قرب کا دوری ہی تجھ سے
خیالِ بعد مہجوری ہے تجھ سے

نہ دوری ہے نہ نزدیکی نہ مابین
عبارت منقطع لا ذہن و لا عین

یہ ہنگامہ اور اس پر بے نشانی
ہوا ہے عقلِ کل کا خون پانی

تیمم کر کہ خاکستر ہے دریا
لگا غوطہ کہ ہے گرداب صحرا

نہ صحرا ہے نہ دریا ہے نہیں تو
نہ یاد و بود باقی ہے نہ ہا ہو

۲۔ معرفت

اسمٰعیل

رہِ طلب میں وحشتِ جنوں کے تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشہ میں خمار دیکھا
نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
رہے سدا نامراد جو یہاں انھیں بھی امیدوار دیکھا

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
ملا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کرکے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشوں سے یہاں کی وہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے، کیسا ہے، کون ہے۔ اور تو کہاں ہے،
پہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا

سپر بھی دی، تو نے تیغ بھی دی، مگر دیئے ہاتھ باندھ سب کے
جنھیں تھا یہاں اختیار سب کچھ انھیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بے کار تجھ کو پایا کبھی نہ سرگرمِ کار دیکھا

حالی

۷۔ معرفت

جلد۲

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا — ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں — آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا
بھول جا خوش رہ عبث وہ سانحے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

درد

۸۔ معرفت

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے — زمیں جس کی چہارم آسماں ہے
خدا پنہاں ہے عالم آشکارا — نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے
تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی — قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
برنگ بو ہوں گلشن میں میں بلبل — بغل غنچہ کی میرا آشیاں ہے

تعلق ہوتا ہی جو خوشبو سے اس کے — کسی گلرو کا غنچہ عطر داں ہے

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہار بے خزاں ہے

آتش

۹۔ معرفت

رنگریز کی دکان میں بھرے ہوں ہزار رنگ — طرّہ وہ ہی جو یار کی دستار پر کھلے

فصلِ بہار آئی ہے چلتا ہے دورِ جام — مے کی دکان شام کھلے یا سحر کھلے

لٹ جائے وہ زبان نہ ہو جس سے دعائے خیر — پھوٹے وہ آنکھ جو کہ نہ وقتِ سحر کھلے

دیتا ہے اسقدر مرے قد پر ردائے عیش — ڈھانکو جو پاؤں کو تو یقیں ہی کہ سر کھلے

مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر — دیوانہ ہو جو حالِ قضا و قدر کھلے

چلنا پڑے گا یار کی خدمت میں سر کے بل
سمجھے ہو کیا جو بیٹھے ہو آتش کمر کھلے

آتش

۱۰- معرفت

بندہ نواز یوں یہ خدائے کریم تھا — کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا
باتیں بھی کیں خدا نے دکھایا جمال بھی — اللہ کیا نصیب جنابِ کلیم تھا
دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرو خیال — اس گھر میں پہلے تجھ سے بھی کوئی مقیم تھا
دنیا کا حال اہلِ عدم ہے یہ مختصر — ایک دو قدم کا کوچۂ امید و بیم تھا
کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع — جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا
سامانِ عفو کیا میں کہوں مختصر ہے یہ — بندہ گناہگار تھا خالق کریم تھا

جس دن تھا میں چمن میں ہوا خواہِ گل امیر
نام صبا نہیں نہ نشانِ نسیم تھا

امیر مینائی

۱۱- باری تعالیٰ

ذاتِ حق اپنے آپ ہے موجود — کوئی اس کے سوا نہیں موجود
اس کا جوڑا نہیں مثال نہیں — اس کو گھاٹا نہیں زوال نہیں

حمد

اُس کا جو وصف ہے سو کامل ہے | نہ کسی سے جدا نہ شامل ہے
اُس کا ساجھی نہیں شریک نہیں | اور کو مانیے تو ٹھیک نہیں
جانتا ہے وہ اَن ہوئی باتیں | دیکھتا ہے ڈھکی چھپی گھاتیں
ہے وہ بے آنکھ دیکھتا سب کو | ہے وہ بے کان سنتا مطلب کو
اپنی مرضی سے کام کرتا ہے | بے زباں وہ کلام کرتا ہے
اونگھتا ہے کبھی نہ سوتا ہے | سب ارادہ سے اس کی ہوتا ہے
وہ قوی ہے کبھی نہیں تھکتا | وہ ہر اک چیز کو ہے کر سکتا
زندہ ہے زندگی کا مالک ہے | جو ہے اُس کے سوا سو ہالک ہے
کہہ سکے کون اس کو کیسا ہے | آپ ہی جانتا ہے جیسا ہے
اُس نے یہ آسماں بنایا آپ | اُس نے فرشِ زمیں بچھایا آپ
کئے اونچے پہاڑ اُس نے کھڑے | میخ کی طرح جو زمیں میں گڑے
اُس نے بادل سے بوند ٹپکائی | اُس نے پانی پہ ناؤ تیرائی
مُردہ مٹی میں اُس نے ڈالی جان | لہلہائے ہرے بھرے میدان
ہے مسلّم اُسی کو سلطانی | عرشِ اعظم ہے تختِ ربّانی
ہے وہی۔ تھا وہی۔ وہی ہوگا | کون اُس کی برابری جوگا

جلد۴

جس کو چاہے کرے وہ ملیا میٹ | نہیں اس کو کسی سے لاگ لپیٹ
اس نے پیدا کیا ہے عالم کو | آسماں کو زمین کو ہم کو
اس کا احسان و فضل ہے دن رات | اس پہ واجب نہیں ہے کوئی بات
اس نے دنیا میں انبیا بھیجے | اپنے رستے کے رہ نما بھیجے
خاتم انبیا محمدؐ ہے | جس کا احسان ہم پہ بے حد ہے
اس نے حکم خدا کیا تلقیں | تھا وہ اللہ کا رسول امیں
اس نے تعمیل حکم کر دی ہے | ٹھیک ہے اس نے جو خبر دی ہے
دل سے مانو جو عقل بینا ہے | کہ موئے بعد پھر بھی جینا ہے
زندگی جس نے دی ہے اوّل بار | دوسری بار دے تو کیا دشوار
بعد مرنے کے حشر کا ہونا | ہے مثال اس کی جاگنا سونا

اس کی ہستی سے سب کی ہستی ہے
خلقت اس کی بسائی بستی ہے

اسمٰعیل

۱۲- گلدستۂ معرفت

۱۰۲

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا — آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

سودا

مری بندگی سے مرے جرم افزوں — ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

داغ

واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے — گریہ تو میرا نامۂ اعمال دھو گیا

درد

اکسیر پہ ہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

درد

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا — اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

ذوق

انساں عزیزِ خاطرِ اہلِ جہاں نہ ہو — وہ مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو
پیری میں بھی گیا نہ تغافل ہزار حیف — اتنا بھی کوئی مائلِ خوابِ گراں نہ ہو

امیر

جلد ۲

چاہئے ہیں کب نشاں اپنا مثالِ نقشِ پا — جو کہ مٹ جانے کو بیٹھے ہیں فنا کی راہ پر
ہے صراط المستقیم اسکے لیے جس نے ظفر — استقامت کی ہے تسلیم و رضا کی راہ پر

ظفر

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی جو تیرا خاص خلوت خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

درد

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں — ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

درد

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں تو نہ ہو — کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی مگر — یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

درد

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے — لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں — اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

درد

جلد ۲

۱۳- وحدت

جمع ہیں افرادِ عالم ایک ہیں — گل کے سب اوراقِ برہم ایک ہیں
ہو رہے کب وحدت میں کثرت سے خلل — جسم و جاں گو دو ہیں پر ہم ایک ہیں
نوعِ انساں کی بزرگی سے ٹک ایک — حضرتِ جبریل محرم ایک ہیں
واں ہی اس پر بھی قرآں کا وجود — بات کی فہمید میں ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود
درد آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

درد

۱۴- انسان

میں بھی کیا خوب ہوں مجھ پر نہ کھلا راز اپنا — نہ تو انجام ہی معلوم نہ آغاز اپنا
شاید اس بزم میں ہے مرتبہ ممتاز اپنا — لیکن اوروں سے نرالا ہی کچھ انداز اپنا

ہوں تو بے قدر پہ مجموعۂ کل عالم ہوں
میں ہی مسجودِ ملائک ہوں اگر آدم ہوں

ابر و باد و مہ و خورشید مرے کام میں ہیں
مرغ و ماہی و دد و دام مرے دام میں ہیں
آب و آتش مری خدمت کے سرانجام میں ہیں
کل جمادی و نباتی مرے خدام میں ہیں جل
مجھ میں قدرت نے عجب فضل و شرف رکھا ہے
میں نے فردوس کے میووں کا مزہ چکھا ہے

اسمٰعیل

۱۵۔ حیرانی

حال نہیں کچھ کھلتا میرا کون ہوں کیا ہوں کیسا ہوں
مست ہوں یا ہشیار ہوں میں ہوں ناداں ہوں یا دانا ہوں
کارِ دیں کچھ بن نہیں آتا دعویٰ ہے دینداری کا
دنیا سے بیزار ہوں لیکن رکھتا خواہشِ دنیا ہوں
یا رب میرے دل میں اور میں کعبے میں بت خانے میں
گھر میں وہ موجود ہے اور میں گھر گھر ڈھونڈتا پھرتا ہوں
کچھ بھی نہیں ور سب کچھ ہوں پر دیکھو چشمِ حقیقت سے
میں ہوں ظفر مسجودِ ملائک گرچہ خاک کا پتلا ہوں

ظفر

۱۶۔ معرفت

معشوق ہوں یا عاشقِ معشوق نما ہوں
معلوم نہیں مجھکو کہ میں کون ہوں کیا ہوں

ہوں شاہدِ تنزیہ کے رخسار کا پردہ
یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں

ہستی کو مری ہستیٔ عالم نہ سمجھنا
ہوں ہست مگر ہستیٔ عالم سے جدا ہوں

انداز ہیں سب عاشق و معشوق کے مجھ میں
سوزِ جگر و دل ہوں کبھی ناز و ادا ہوں

ہے مجھ سے گریبانِ گل و صبح معطّر
میں عطرِ نسیمِ چمن و بادِ صبا ہوں

یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

گوشِ شنوا ہو تو مرے رمز کو سمجھے
حق یہ ہے کہ میں سازِ حقیقت کی صدا ہوں

مصحفی

۱۷۔ معرفت

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

تعلق روح سے مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے
زمانے میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو — چمن کی سیر ہے انجام بلبل کی رہائی کا
دلِ بینا آئینہ سے صاف عشق پاک رکھتا ہے — تماشا دیکھتا ہے حسن اپنی خود نمائی کا
نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعوے ہے خدائی کا

آتش

۱۸- معرفت

جو بھلے برے کی اٹکل نہ میرا شعار ہوتا — نہ جزائے خیر پاتا نہ گناہ گار ہوتا
مئے بیخودی کا ساقی مجھے ایک جرعہ بس تھا — نہ کبھی نشہ اترتا نہ کبھی خمار ہوتا
یہ جو عشق جاں ستاں ہے یہ وہ بحرِ بیکراں ہے — نہ سنا کوئی سفینہ کبھی اس سے پار ہوتا

اسمٰعیل

۱۹- رموزِ انسانی

جو عرش سے ہے فرش تلک آدمی میں ہے ۔۔ ۔۔ دیکھ آنکھ کھول کر
کیا کیا نہیں ہے اس میں کہ سب کچھ اسی میں ہے ۔۔ ۔۔ پر چاہیئے نظر

جلد۲

دل اپنا پہلے زنگِ کدورت سے صاف کر .. .. .. مانندِ آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ اس آئینہ میں ہے .. .. .. کیا حُسن جلوہ گر
پیدا نگاہ کر کہ تجلّیِ حُسنِ یار .. .. .. سب جا ہے آشکار
شعلہ سے طور کے نہیں کم روشنی میں ہے .. .. .. ہر سنگ کا شرر
کیوں کعبہ و کنشت میں سر مارتا ہے تو .. .. .. سرگرمِ جستجو
تو جس کو ڈھونڈتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے .. .. .. پر تو ہے بے خبر
جوشِ بہارِ حسن سے کس گل کے اے صبا .. .. .. ہے یہ جنوں کا جوش
مصروف اس قدر جو گریباں دری میں ہے .. .. .. ہر غنچہ ہر سحر
اے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ .. .. .. ہے وہ بہت قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی میں ہے .. .. .. اس سے ہی دور تر
افشائے رازِ عشق نہ کر کہ کے جی کی بات .. .. .. پردہ ہی خوب ہے
جی ہی میں اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی میں ہے .. .. .. خاموش اے ظفرؔ

ظفرؔ

———.«ﷺ».———

جلد۴

۲۰- انسان کی خاطر

بات کیا آدمی کی بن آئی　　آسماں سے زمین نپوائی
چرخ زن اس کے واسطے ہے مدام　　ہو گیا دن تمام - رات آئی
ماہ و خورشید و ابر و باد سبھی　　اس کی خاطر ہوئے ہیں سودائی
کیسے کیسے کیے تردد جب　　رنگ رنگ اس کو چیز پہنچائی
اس کو ترجیح سب کے اوپر دی　　لطفِ حق نے کی عزت افزائی
حیرت آتی ہے اس کی باتیں دیکھ　　خودسری خودستائی خودرائی

شکر کے سجدوں میں یہ واجب تھا
یہ بھی کرتا سدا جبیں سائی

میر

۲۱- خود شناسی

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں　　گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل　　گر وار ہیں تو ہم ہیں اور پار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہیں ہمیں سے گر جبر ہے وگر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں

جلدہم تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موجزن ہے
تس پر بھی تشنہ کامِ دیدار ہیں تو ہم ہیں

الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے
معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

درد

۲۲- مردانِ خدا

گو تہی دست ہیں کہ پاؤں دبے غافل
سرکش اس راہ میں گردن کو جھکا لیتے ہیں

حق تو یہ ہے کہ عجب لوگ ہیں مردانِ خدا
اپنے سر غیر کی ناحق یہ بلا لیتے ہیں

سامنا لاکھ مصیبت کا پڑے پر کوئی
آسرا غیر کا مردانِ خدا لیتے ہیں

گرچہ درویش ہیں یہ لوگ مگر چاہیں تو
سلطنت مول ترے در کے گدا لیتے ہیں

میرے ویرانہ میں درویش بھی سلطان ہو جائے
یاں بسیرا سرِ شام آ کے ہما لیتے ہیں

جامِ جم سے اسے رتبہ میں سمجھتے ہیں زیاد
بھیک جس کاسے میں تیرے فقرا لیتے ہیں

سائل

مجلد ۴

۲۳- صاحبِ ایماں

لاکھ حربے سہی مرقع کے شیطاں کے پاس ڈھال ایمان کی موجود ہو انسان کے پاس

مت سمجھنا انہیں کم مایہ غنی ہیں یہ لوگ
کنزِ مخفی ہے ہر اک صاحبِ ایمان کے پاس

جوہر

۲۴- معرفت

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیا کی خوشی عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں

اکبر

جلد ۲

۲۵- معرفت

کہہ دیا میں نے کہ "ہوں" اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا؟
اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہیے

ہستیِ بے ثبات نے جانِ بشر کو کیا دیا نفس سی حرص آ گئی ہوش نے "میں" بتا دیا
نفس نے کہہ دیا غلط عقل نے بھی ملائی ہاں منزلِ ذوقِ روح کا دل نے اگر پتا دیا

چشمِ خرد سے عار تھا حسنِ جنوں پسند کو
عقل نے آنکھ بند کی اس نے حجاب اٹھا دیا

مجھے کیا خبر یہ ہے کیا اثر نہ وہ ہوش ہے نہ وہ جان ہے
فقط اک نظر ہے جہان پر نہ خیال ہے نہ زبان ہے
نہ دماغ صرفِ رہِ نظر نہ دلیل باعثِ دردِ سر
وہی جوشِ لذتِ دید ہے نہ قیاس ہے نہ گمان ہے
نہ یہاں حدوں کا نشاں کہیں نہ محلِ حروفِ بیاں کہیں
مرا عشق ہے ترا حسن ہے - مری آنکھ ہے تری شان ہے

اکبر

جلد۴

۲۶- سیرِ عالم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم　　تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی　　ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم
ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر　　اپنے تئیں آپ رو گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا　　پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے دردؔ ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

دردؔ

۲۷- مردانگی

ام مردوں کے جو ہیں وہی کر جاتے ہیں　　جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
وت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے　　مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
یدو وادید جو ہو جائے غنیمت سمجھو　　جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
نکھیں اس بزم میں بیکی ہیں جنھوں نے ٹک بھی　　شمع کی طرح گریباں سے اتر جاتے ہیں

ہم کسی راہ سے واقف نہیں جز عشق ظفر ۔۔۔ ہٹا کوئی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں

جلد ۴

درد

۲۸ - شمع ہستی

اے شمع ہستی اے زندگانی ۔۔۔ بھاتی ہے دل کو تیری کہانی
ہے کوچ تیرا ہر لحظہ جاری ۔۔۔ جاتی ہے سرپٹ تیری سواری
بجلی سے بڑھ کر بیتاب ہے تو ۔۔۔ یا واہمہ ہے یا خواب ہے تو
کیوں چپ چپاتی ہر دم رواں ہے ۔۔۔ آئی کہاں سے جاتی کہاں ہے
ظاہر ہیں یوں تو سب پر ترے گُن ۔۔۔ لیکن نہ پایا تیرا سر و بُن
گزرا نہ کوئی اس ہفت خواں سے ۔۔۔ جاہل ہیں تیرے سرِ نہاں سے
فی الجملہ ہمت سب ہار بیٹھے ۔۔۔ ہیں سر بزانو ناچار بیٹھے

اے زندگانی اے شمع ہستی ۔۔۔ سوتی پڑی تھی تجھ بن یہ بستی

بلبلؔ

چاروں طرف تھی چھائی اندھیری ناگاہ اُٹھی اِک ڈیک تیری
وہ ڈیک تھی بس نورٌ علیٰ نور کاہے کو رہتی پردہ میں مستور
پھولوں میں جھلکی تاروں میں چمکی بہشتی جہاں میں رونق ارم کی
ہوتا نہ یاں جو تیرا ٹھکانا چوپٹ ہی رہتا یہ کارخانا
کیا پھونک ماری دنیا کے تن میں گویا لگا دی دَوں خشک بن میں
بزمِ جہاں میں رونق ہے تجھ سے اس میکدے میں ہو حق ہے تجھ سے

ہے تیرے دم سے اے عالم آرا بزمِ عروسی آفاق سارا
سرگرم ہے تو جادوگری میں ہیں تیرے عشوے خشکی تری میں
مٹی کا جوبن تو نے نکھارا دے دے کے چھینٹے اسکو اُبھارا
بے حس کو بخشا احساس تو نے دی مشتِ گل کو بوباس تو نے
تھی بھولی بھالی بھونڈی بہنگم تو نے سکھایا اس کو خم و چم
کرتب سے تیرے سانچے میں ڈھل کر کندن سی نکلی رنگت بدل کر
ٹھکرا کے تو نے جب کہدیا قُم اُٹھ بیٹھی فوراً کرتی تبسم
بھولی ہے اپنی اوقات پہلی پھرتی ہے خوش خوش کیا البیلی

جلد ۲

پاتی ہے خلقت جب تیری آہٹ — ہوتی ہے پیدا اک گڑگڑاہٹ
بجتی ہے پھر تو اودہم غضب کی — بجتی ہے نوبت عیش و طرب کی
کہتی ہے دنیا تو ہے تو کیا غم — تو آئے نت نت تو آئے جم جم
جیتے ہیں جب تک مرتے ہیں تجھ پہ — سب کچھ تصدق کرتے ہیں تجھ پہ
کیا مال ہے جو تیرے سوا ہے — تو ہی نہ ہو تو سب کو وبا ہے

اے سب کی پیاری سب کی چہیتی — کہہ منہ زبانی کچھ آپ بیتی،
قدرت کے گھر کی میں لاڈلی ہوں — ناز و نعم سے برسوں پلی ہوں
تقویم احسن میرا لگن تھا — فردوسِ اعلیٰ میرا وطن تھا
حور و ملک کی آبادیاں تھیں — بےفکریاں تھیں آزادیاں تھیں
چلتی تھی ہر دم بادِ بہاری — شیر و عسل کی نہریں تھیں جاری
میری ادا پر مرتے تھے قدسی — سجدہ پہ سجدہ کرتے تھے قدسی
تکریم میری ہوتی تھی از حد — ہیں داستانیں جس کی زباں زد
پھر دیس چھوٹا گزری سو جھیلی — پردیسیوں کا اللہ بیلی
پل مارنے کا ہے یاں بسیرا — حبِ وطن ہے ایمان میرا

آب و ہوا میں دشت و جبل میں — میری رسائی ہے ہر محل میں
لیکن یہاں میں خلوت نشیں ہوں — ہوں اس طرح پر گویا نہیں ہوں — جلۂ
خوابِ گراں کی حالت ہے طاری — مستی میں گم ہے سب ہوشیاری
جب آتے آتے سبزہ میں آئی — کروٹ بدل کر میں لہلائی
انگڑائیاں لیں منہ کھول ڈالا — پر آنکھ سے کچھ دیکھا نہ بھالا
داخل ہوئی جب حیواں کے تن میں — اِک شور اُٹھا اس انجمن میں
انسان کا جامہ جب میں نے پہنا — اللہ رے میں کیا میرا کہنا
کس کس جتن سے میں نے بنایا ق — رتبہ بہ رتبہ پایا یہ پایا
جامد کو نامی کو حیواں — حیواں کو وحشی وحشی کو انساں
پھیلایا میں نے کیا کیا بکھیڑا — شادی و غم کے ارگن کو چھیڑا
نیکی بدی کے میلے جمائے — جھوٹ اور سچ کے سکّے چلائے
جو ناچ میں نے جس کو نچایا — وہ ناچتے ہی اُس کو بن آیا
القصہ ہوں میں وہ اسمِ اعظم — ہے جس کے بس میں تسخیرِ عالم
سمجھے کچھ کُھلے ہیں انداز میرے — دیکھے ہیں کس نے اعجاز میرے
مجھ کو نہ سمجھو تم آج کل کی — ہوں موجِ مضطر بحرِ ازل کی

جلد۲۳

رکھوں گی جاری یوں ہی سفر میں ٹھہرا ہوا گی لوں گی خبر میں
ہے ہستی میری اک طرفہ مضموں کچھ بھی نہیں ہوں پر میں ہی میں ہوں
سنتے رہو گے میری کہانی
جب تک ہے باقی دنیائے فانی"

اسمٰعیل

۲۹۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بکھانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہے کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر جو آسماں کا بے چوبا خیمہ یہ تن رہا ہے
نہ اس کی میخیں نہ ہیں طنابیں نہ اس کی چوبیں اِدھر کھڑا ہے

ادھر ہے چاند اور اُدھر ہے سورج ادھر ستارے اُدھر ہوا ہے

کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہے یہ کا ہے کا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہیگا زمیں پہ اب جو یہ بستر ا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سی سر جن کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لیکر جو آسماں تک بھری ہی لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہے ہاتھی کہیں ہی چیونٹی کہیں ہی رائی کہیں ہی پربت
جو چاہے اس کے یہ بھید کھولے کسی کو اس کی نہیں ہی طاقت
کہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی قدرت خدا کی صنعت

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھاوے کسے بھریگا
کسی کے گھر کون ہووے پیدا کسی کے گھر کون سا مرے گا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا ہے وہ کیا کرے گا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

نظیر

۳۔ حضرت انسان

عجب حالت ہے انساں کی عجب کچھ اس کا عالم ہے
کہ نیک و بد کا اس میں بھی پراگندہ ہے اک دفتر
نہ بھولو بھولی بھالی صورتِ انسان پر ہرگز
یہ حضرت طرفہ معجون ہیں نہ غافل ان سے ہو دم بھر

جلد ۴

فرشتوں سے سوا ہے خیر کا بھی مادہ ان میں
شرارت پر اگر آویں تو ہیں شیطان سے بدتر
کبھی سوتے نہیں بیمار کی تیمار داری میں
کبھی سوتوں کی گردن پر چلاتے ہیں یہی خنجر

کبھی ہمدرد بن کر جان یہ دیتے ہیں غیروں پر
کبھی بھائی کے پہلو میں چبھوتے ہیں یہی نشتر
کبھی اپنے ہی ہم جنسوں کی جوتی صاف کرتے ہیں
کبھی ان کو دریغ اس میں کہ دیکھیں بھی نظر بھر کر

سمجھ کر بھوت ڈرتے ہیں کبھی دیوار سے حضرت
کبھی جا ہاتھ دیتے ہیں دہانِ شیر کے اندر
کبھی کرتے ہیں یہ باتیں ملاءِ عرشِ اعلیٰ سے
کبھی ہیں پوجتے حیوان، کبھی لکڑی، کبھی پتھر

خدا نے دی ہے استعداد نیک و بد تجھے عارف
ہمیشہ کر یہی کوشش کہ کل ہو آج سے بہتر

عارف

جلد۴

۳۱- خدا کی امانت

مجنوں کا دل ہے خواہشِ لیلیٰ کے واسطے وامق کا دل ہے دامنِ عذرا کے واسطے
بلبل کا دل بنا گلِ رعنا کے واسطے پھر دل مرا ہے کس کی تمنا کے واسطے

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

پنہاں اسی میں راز ہیں کچھ رازدار کے لایا تھا ساتھ عرشِ بریں سے اتار کے
دامن میں پھول کچھ ہیں کہیں کی بہار کے پہلو میں کچھ ہیں داغ کسی لالہ زار کے

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

او قاصدِ شباب نہ لانا پیامِ عشق چھاتی دہل گئی ہے یہاں سن کے نامِ عشق
ہو جاؤں یوں تو جان سے دل سے غلامِ عشق ممکن ہے بھول جاؤں کبھی پی کے جامِ عشق

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

او حسنِ فتنہ ساز تجھے دیکھتا تو ہوں ہے مثلِ سحرِ سامری بیشک ترا فسوں
بہتر ہے تیرے عشووں سے نا آشنا رہوں تو لاکھ عشوہ باز ہو پر دل تجھے نہ دوں

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

صیاد نقشِ طائرِ دل سے ذرا پرے کمبخت اپنے جال کو جا کر بچھا پرے

دانا ہے کب فریب میں آتا ہے جا بجا مکار جا کے مکر کے دانے گرا پڑے
یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے
کتنے ہی اس کے چاہنے والے ہیں تاک میں دم کر رکھا ہے نفس ستمگر نے ناک میں
ملجائے آہ آہ مرا دل نہ خاک میں کیا چیز لیکے جاؤں گا درگاہِ پاک میں
یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

محروم

۳۲- دل

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل سارے عالم میں میں دکھا لایا
دل کہ ایک قطرہ خون نہیں ہے بیش ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی اس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لیجا کر اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میرؔ

جلد ۳

۳۳۔ تنبیہ الغافلین

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

کم ظرف پُر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ
مانند جوشِ خم نہ زیادہ اُبل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوزِ دل کے ساتھ
اس پر سپند وار نہ اتنا اُچھل کے چل

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما
سایہ سے بچ کے اہلِ فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل پہ چل

انساں کو کل کا پتلا بنایا ہے اُس نے آپ
اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کی چل

پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں کہ رکھ دیکھکر قدم
کہتا ہے کون تجھکو نہ چل چل سنبھل کے چل

ظفرؔ

۳۴۔ نقد کا سودا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جلد۳

جو اور کا اونچا بول کرے تو اس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اس ظالم کے بھی لوہو کا بھر بہتا ندی نالا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے تو حق اس کی بھی جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے یہ دل میں اپنے جان رکھے
یہ تُرت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

نظیر

جلد ۳

۳۵- اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

کانٹا کسی کے مت لگا گر مثلِ گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں زہر ہے کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاویگا

جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ کل واں پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا، کل پاویگا کل پاوے گا جلد

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو چاہے لے چل اِس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھکو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

کرجگ جو کچھ کرنا ہو یہاں یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصان ہووے گا اس بات پر تو دھیان کر

کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر
یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

غفلت کی یہ جا گہ نہیں یاں صاحبِ ادراک رہ
دل شاد رکھ دل شاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیرؔ اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رکھ بیباک رہ
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

نظیرؔ

۳۶۔ طلسمِ حقیقت

جو تو کہتا ہے اے غافل یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
یہ جس کا ہے اسی کا ہے نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے او بیخبر ناداں یہ کیسی غفلت نے گھیرا ہے

تماشا ہے مزا ہے سیر ہے کیا کیا اہا ہا ہا — مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے
ترقی میں تنزل ہے تنزل میں ترقی ہے — اندھیرے میں اُجالا ہے اُجالے میں اندھیرا ہے
طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا — یہی چاند اور یہی سورج یہی شام و سویرا ہے

نظیر اللہ اللہ اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم کوئی دم کا بسیرا ہے

بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار — ہوا کے بیچ کوئی دم ہے رہی نہ رہی
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوکِ گیاہ
مثالِ قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

نظیر

۳۷- حکمت

تن میں جب تک ہے جان تکلف ہے — ہم میں اس میں ابھی حجاب ہے میاں
چشمِ وا ایاں کی چشمِ بسمل ہے — جاگنا یہ نہیں ہے خواب ہے میاں
چاہیئے وہ کہے سو لکھ رکھیں
ہر سخن میر کا کتاب ہے میاں

میر

جلد ۴

۳۸ بہشتی

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس بھی نہیں باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوئے قربِ باری ہے نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے

ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
نہ وہ امرِ نبی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت بار یاں یہ ابرِ مغرب کی
کوئی آلودہ آز کوئی صرفِ جوانی ہے

ملادے اپنی ہستی اشتیاقِ حسنِ باقی میں
جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

اکبر

۳۴۹ — پسر و پدر

سکندر نے اک دن ارسطو کے ساتھ — کہا اے ثناسائے چندیں نکات
جو عالم میں پیدا و ناپید ہے — ترے بازِ ادراک کا صید ہے
مجھے اس سخن میں ہے حد اضطراب — کہ رتبہ میں ہے پسر بہتر کہ باپ
کوئی دم تو جوں غنچہ ساکت رہا — طرح گل کے پھر ہنس کے اس سے کہا
کہ ظاہر تو رتبہ میں دونوں ہیں ایک — بڑا تفرقہ ہے حقیقت میں لیک
یہ نطفہ کا ہے باپ کے سبب ظہور — کہ عالم پڑا اصل اپنی سے دور
ہوئی یاں گرفتاری قید تن — نہ رستے رہائی نہ راہ وطن
وہ شہباز تجرید جوں عنکبوت — ہوا پھنس کے جالے میں محتاجِ قوت
جب اس حال میں پیر نے کی نظر — کہ عیسیٰ وحل میں ہے مانند خر
نکال اس حضیض بلا سے سلیم — کیا پھر عروجِ فلک پر مقیم
غرض ہے جو منظور نتیجہ گو یہ حرف — کہ ہو موج زن بار دیگر یہ برف

تو کر فیض کا پیر سے اکتساب
کہ ہستی تری یخ ہے وہ آفتاب

جلد ۳

۴۰۔ چشمِ باطن

پیر مرشد سے کیا جا کر یہ اک دن التماس
کارِ دنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اداس

جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر
آخرت پر کچھ نہیں باقی رہی میری نظر

فلسفے نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ
میری چشمِ ہیچ کو حاصل ہے مغربی کیبنیٹ

میرے حق میں کوئی فکرِ سالوشن کیجیے
ہو سکے تو آپ ہی اک آپریشن کیجیے

کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر
اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر

چشمِ باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا
کٹ گیا وہ رنگ محسوساتِ کفر انگیز کا

پھر زخمِ دل پہ مرے تقویٰ کی پٹی باندھ دی
آنکھ پہ شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

اکبر

۴۱۔ عبرت

یہ جتنے گلرو ہیں بے وفا ہیں، نہ اپنی جان ان پہ یوں فدا کر
نہ جی کو وابستہ جاہ سے کر، نہ طبعِ الفت سے آشنا کر

کہاں ہے عہدِ شباب باقی نہ عشق میں دل کو مبتلا کر
نہیں ہوس وقت جوش باقی قدِ خمیدہ سے ٹک حیا کر
جنوں کا یہ رہیگا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر

سے ہوئے طاعت بہت ہی دشوار یہ ہی بیاں ہے
ہر و تقوی ریا سے جو ہوئے رائیگاں ہے
صدائے حلقِ بریدہ سے بھی سنا تو مضموں یہی بیاں ہے
سجود محرابِ تیغ قاتل عبادتِ رندِ مشرباں ہے
جو ہو سکے تو قضائے عمری اس ایک سجدہ میں سب ادا کر

نہ دل میں رکھا نہ دھیان میں لائے اپنے غم کو
آنکھیں موندیں کفن میں راحت سے ایک دم کو
عجب کی جا ہے مقامِ حیرت بڑا تردد ہے اس میں ہم کو
کہاں کی نیند آ گئی الٰہی مسافرانِ رہِ عدم کو
کچھ ایسا سوئے کہ پھر نہ چونکے ، تھکے ہم اُن کو جگا جگا کر

ہے سب تکلف یہ زندگی کا ہے لطف سارا
تو آنکھیں موندیں نہ تم ہو میرے نہ میں تمہارا

گلوں کا باغ جہاں میں یارو بچشم عبرت کرو نظارا
کہاں ہے جم اور کہاں سکندر کہاں سلیمان کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

ہوس

۴۲۔ شبنم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم

ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
ہوئی آتش سے گل پر بیٹھ کر رشکِ شرر شبنم

بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے
کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم

نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو
گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم

نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اس کا
نہ ملتی پھر صبا ادھر نہ پھر آتی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

درد

جلد۴

۴۳ - پروانہ

کاش تا شمع نہوتا گزرِ پروانہ — تم نے کیا قہر کیا بال و پرِ پروانہ
شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اسے — پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ
ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اس نے — رہروِ رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے دردؔ میں کس سے خبرِ پروانہ

درد

۴۴ - سمجھ

دُنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اُسے — پی جامِ مرگ آبِ بقا ہی سمجھ اُسے
جو کچھ یہاں لیا ہے وہ رہویگا سب یہیں — پھر لیوے یا نہ لیوے لیا ہی سمجھ اُسے
جو کچھ زمیں کے نیچے ہے سب گرد باد ہے — پھر جو ہوس ہو دل میں ہوا ہی سمجھ اُسے
مہماں سرائے دہر ہو جب منزلِ فنا — پھر جو محل سرا ہے سرا ہی سمجھ اُسے
ہے ہر شفا کا جب مرض الموت ختمِ کار — پھر دے رضا قضا پہ شفا ہی سمجھ اُسے

بزمِ فنا میں کچھ نہیں جز نغمۂ فنا　　جو کچھ نہیں سنا ہی سنا ہی سمجھ اُسے

آزاد نے قدم نہ رکھا قیدِ حرص میں
سچ ہے کہ دی خدا نے ہی کیا ہی سمجھ اُسے

آزاد

۵۴ حقیقتِ عالم

کچھ نہیں بحرِ جہاں کی موج پر مست بھول میرؔ　　دُور سے دریا نظر آتا ہی لیکن ہی سراب

غفلت سے یہ غرور تجھے ورنہ ہے بھی کچھ　　یاں وہ سماں ہی جیسے کہ دیکھے ہی کوئی خواب

کچھ نہیں اور دیکھیں ہیں کیا کیا　　خواب کا سا ہی یاں کا عالم بھی

عالم کے لوگوں کا ہی تصویر کا سا عالم　　ظاہر کھلیں ہیں آنکھیں لیکن ہیں بیخبر سب

سرسری تم جہاں سے گزرے　　ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

جلد ۳

اے غافلانِ دہر یہ کچھ راہ کی ہی بات — چلنے کو قافلے ہیں یہاں تم بھی ہو سو

ہستی پہ ایک دم کی تمہیں جوش اس قدر — اس بحرِ موج خیز میں تم تو حباب ہو

بودِ آدم نمودِ شبنم ہے — ایک دو دم میں پھر ہوا ہی یہ

بود نقشِ نگار سا ہے کچھ — صورت اک اعتبار سا ہی کچھ
یہ جو مہلت جسے کہیں ہیں عمر — دیکھو تو انتظار سا ہی کچھ

جہاں سے تو رختِ اقامت کو باندھ — یہ منزل نہیں بےخبر راہ ہے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے

دل کی بات کہی نہیں جاتی چپکے رہنا ٹھانا ہے
حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے

فرصت کب یاں رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی
آنکھیں کھول کے کان جو کھولو بزم جہاں افسانہ ہے

جلد ۲

میر

۴۶- دار الغرور دنیا

ہر شمع اپنے زعم میں یاں برق طور ہے
ہر کنکری کو ہمسریِ کوہِ نور ہے
عالم میں کبر و عجب کا ہر سو ظہور ہے
دنیا سے انکسار جو ہے یاں سے دور ہے
ہم کو تو اس جہاں سے شکایت ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

شاہوں کو اپنی صولت شاہی پہ ہے گھمنڈ
نعمت پہ عیش و عشرت شاہی پہ ہے گھمنڈ
جاہ و حشم پہ دولت شاہی پہ ہے گھمنڈ
طبل و علم پہ شوکت شاہی پہ ہے گھمنڈ
ہر شخص ان کو دیکھ کے کہتا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

زاہد کو دیکھیے تو الگ اس کی شان ہے
خلقِ خدا پہ طعن ہے طاعت کا مان ہے
حضرت کو زہدِ خشک پہ کتنا گمان ہے
بگڑا ہوا مزاج سرِ آسمان ہے

جو اس کے ڈھنگ دیکھ لے کہتا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

عالم جو اپنے علم پہ پھولا ہوا نہیں
ہم کو تو اس جہان میں ابھی تک ملا نہیں
جاہل پہ کون عالم دانا ہنسا نہیں
رونا یہ ہے کہ کوئی بھی عجز آشنا نہیں
نشہ شراب علم میں ہے اور ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محروم خاکسار جہاں کا یہ حال ہے
ہو اس جہاں سے دور جو فکر مآل ہے
نام و نمود نے جو بچھایا یہ جال ہے
بچنا مرے خیال میں اس سے محال ہے
گر کھل سکی نہ آنکھ تو پھنسنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محروم

۴۷ ـ مصروفیت

ساقی کو میکدہ میں سر نا ؤ نوش ہے
صوفی کو خانقہ میں سر وجد و حال ہے
عاشق کو اضطراب ہے عجز و نیاز ہے
معشوق کو غرور ہے غنج و دلال ہے

منظور ہے حکیم کو ہر شے کی معرفت — حالانکہ اپنی معرفت اس کو محال ہے — جلد۲
ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہے — ہر بات منطقی کی مراد جدال ہے
ارباب حکمت نظری کو عمل نہیں — اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہے
جن کو کہ دستگاہ ہے فن نجوم میں — عمر ان کی صرف زائچۂ ماہ و سال ہے
ہیں بعض لوگ درپئے اسراف رات دن — بعضوں کو روز و شب سر توقیر مال ہے
بعضوں کو ہے مذاق میں فخر نسب لذیذ — بعضوں کو ذوق دعوئ فضل و کمال ہے
مفلس کو فکر ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے — منعم غریق لجۂ بیم زوال ہے
جی میں کسی کے خواہش آرائش لباس — دل میں کسی کے حسرت جاہ و جلال ہے
کوئی خدائے قامت آفت خرام ہے — کوئی خراب نرگس جادو مثال ہے
ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں — بے وجہ کوئی خوش ہے کسی کو ملال ہے

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

شیفتہ

۴۴ کبھی امداد دی تو نے کسی بیکس بیچارے کو | سخی بنکر دیا کچھ تو نے مفلس کے گزارے کو
تسلّی دی کبھی تو نے کسی آفت کے مارے کو | کبھی تو نے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو

شریکِ دردِ دل ہو کر خبر لی بینواؤں کی
لگی ہے چوٹ بھی دل پہ صدا اُسنگر گداؤں کی

مرقع عسرت و عشرت کا یہ نیرنگ عالم ہے | کہیں ہے نغمۂ شادی کسی جا شور ماتم ہے
کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی با دیدۂ نم ہے | دورنگی ہے زمانہ کی کہیں شادی کہیں غم ہے

کبھی دورِ خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہاری ہے
کبھی ہیں وصل کی راتیں کبھی اختر شماری ہے

ذرا تو سوچ اے غافل رہیگا شادماں کبتک | کریگا خون اپنے وقت کا ناقدرداں کبتک
ترے باغِ جوانی میں نہ آئیگی خزاں کبتک | رہیگا تیری قسمت سے موافق آسماں کبتک

رہیگا تا بکے مصروف دنیا کے جھمیلے میں
کہاں تک کھوئیگا عمرِ رواں فانی کے ریلے میں

نہ ہو تو عیش پہ نازاں دو روزہ ہے خوشی تیری | سرِ فنکِ خزاں لائیگی یہ دم بھر کی ہنسی تیری
عبث ہے ہستیٔ موہوم سے دل بستگی تیری | رہینِ پنجۂ دستِ اجل ہے زندگی تیری

عبث ہے بیکسی پر اس قدر اندازِ مستانہ
چھلک جائیگا ہو کر عمر کا لبریز پیمانہ

فنائے زیست کا اک روز قصہ پاک ہوتا ہے   اجل کے ہاتھ سے دامانِ ہستی چاک ہوتا ہے
کبھی تو پائمالِ گردشِ افلاک ہوتا ہے   کسی دن خاک میں ملنا ہے آخر خاک ہوتا ہے

حبابِ آسا قرارِ زیست ہے دنیائے فانی میں
جو تجھ سے ہو سکے کرلے بھلائی زندگانی میں

نہ دولت ساتھ جائیگی نہ قسمت ساتھ جائیگی   نہ شوکت ساتھ جائیگی نہ رفعت ساتھ جائیگی
پس مردن نہ شایانِ امارت ساتھ جائیگی   نہ عظمت ساتھ جائیگی نہ صولت ساتھ جائیگی

جو پوچھے جائیں گے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے
اگر کچھ ساتھ جائینگے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کر طاعت گزاری کر   پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کر
بھلائی کر بدی سے باز آ پرہیزگاری کر   جو تجھ سے ہو سکے تو خلق کی خدمتگزاری کر

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا
ترا دامن وہی امید کے پھولوں سے بھر دے گا

برق دہلوی

۵۰- تماشائے عالم

مسافر ہے تو اے بازارِ امکاں کے تماشائی
کہاں تک ابلہانہ خود پسندی اور خود آرائی

ذرا چشمِ بصیرت کھول کر رکھتا ہے بینائی
ترے کس کام آئیں گے خیالاتِ من و مائی

اُڑی تو خوشبوئے گل ہو کر تابِ شمیمِ نسترن بہکا
بعجلت پھول چُن ہونے کو ہے رنگِ چمن پھیکا

خرامش کب تلک کبکِ دری کے قہقہے کب تک
خیاباں میں ہیں گے بلبلوں کے چہچہے کب تک

کہاں تک فصلِ گل سروِ سہی کے لہلہے کب تک
تو صرفِ دیدِ گل کب تک فدائے چنگ و نے کب تک

کرے گا کب تلک مشقِ خرامِ نازِ مستانہ
رہے گا حسن کا اپنے تو کب تک آپ دیوانہ

تجھے معلوم ہے کس واسطے تو باغ میں آیا
وہ کیا مطلب تھا جس کے واسطے سلطاں نے بھجوایا جلد

نہ بھولے سے کوئی دم بھی ادھر کچھ دھیان فرمایا
کہ میں ہوں کون جاتا ہوں کدھر کس سمت سے آیا

ہرا نخلِ بقا کب تک چمن میں لہلہائے گا
ہزار ہستیِ موہوم کب تک چہچہائے گا

معین وقت تک تجھ کو ملا ہے سیر کا فرماں
غرض یہ تھی کہ جب ہو جلوہ بخشِ گلشنِ امکاں

ترے آنے سے ہوں سب ہمصفیرانِ چمن شاداں
چلن سے تو عزیزِ دل ہو ان کا اور سرورِ جاں

تو ہر اک حال میں ان کا شریکِ ہمنوائی ہو
دلوں میں ان کے جا ہو تیری سینوں میں رسائی ہو

مصیبت جس کو پیش آئے تو اس کا آشنا تو ہو
کوئی ماتم زدہ پائے تو اس کا غم ربا تو ہو

کوئی ہو راہ گم کردہ تو اس کا رہنما تو ہو
غرض ہر زخم کا مرہم ہو ہر دکھ کی دوا تو ہو

جہاں مشکل کی پڑجائے گرہ ناخن ترا کھولے
تو ہر اِک ورد میں شامل ہو ہر آواز میں بولے

ملا کر آنکھ مجھ سے کہہ تو اس میں سے کیا کیا کیا
دکھا کس زخمِ دل پر مرہمِ امداد کا پھایا

نکالا دشتِ غربت میں کسی کے پاؤں کا کانٹا
کسی آفت زدہ کا بوجھ کہہ تو نے کیا ہلکا

بچایا ہے کسی گم کردہ رہ کو رہنما ہو کر
کیا ہے پار بیڑا بھی کسی کا ناخدا ہو کر

اگر غفلت سے اب تک کچھ نہیں تو نے کیا غافل
تو اِس خوابِ گراں سے چونک آئندہ نہ ہو کاہل

بڑھے جاتے ہیں ساتھی ہمسفر نزدیک ہے منزل
یہ فرصت بھی غنیمت ہے اگر کرنا ہے کچھ حاصل

اولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

تجھے اک شاہِ عالیشان کی پیشی میں جانا ہے
ہمیشہ کے لیے ماویٰ اسی کا آستانا ہے

اسی سرکار سے ملتا سبھوں کو آب و دانہ ہے
اسی کی ذات کا محتاج ہر فرد زمانہ ہے
عجب سرکار ہے، ڈنکا ہے ہر سو اس کی عظمت کا
ٹھکانہ ہی نہیں کچھ رفعتِ ایوانِ دولت کا
وہاں تو پائے عزت ایسا کچھ سامان مہیا کر
پشیماں ہو گزشتہ غفلتوں سے اب نہ سویا کر
بھرے بازار میں آیا ہے تو پُر نفع سودا کر
حضورِ شاہ میں تا سُرخرو ہو جائے تو جا کر
مکرم جنس ہے یاں دستگیری نیم جانوں کی
خریدا کر ملیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

احمدی

۵۱- بزمِ حیات

میں اک بزمِ طرب میں میہماں تھا
دل ممنونِ لطفِ میزباں تھا
سراپردہ میں جب داخل ہوا میں
وہ کچھ دیکھا کہ حیراں رہ گیا میں

ہجوم میہماناں دمبدم تھا — صلائے عام الطاف و کرم تھا
کوئی مستِ شکوہِ خسروانہ — رہینِ داب اندازِ شہانہ ندیم
کوئی صوفی صفت سرگرم توحید — کوئی آزادوش شیدائے تجرید
کوئی مستِ خیالِ ساغر و مے — کوئی محوِ تلاشِ بربط و نے
کوئی اپنی خودآرائی پہ شیدا — فدائے نازِ رعنائی پہ شیدا
کوئی شمشیر درکف طالبِ جنگ — غرض جس شخص کو دیکھا جدا رنگ
صفیں موزوں کیے بیٹھے ہیں یکسو — صنوبر قامتان عنبریں مو
کہیں دہقاں کسی جانب کو تجار — زیان و سود میں سرگرم گفتار
مہیا جا بجا کھانے کے ساماں — جہاں جس جنس کو دیکھا فراواں
پیاپے تازہ کھانا پک رہا ہے — کمر باندھے ہر ایک خادم کھڑا ہے
صلائے عام ہے سب آؤ کھاؤ — جو کچھ مرغوب ہو منگواؤ کھاؤ
جو ہیں اہلِ جماعت حصے لیجائیں — برابر ساتھیوں میں بیٹھکر کھائیں
ولیکن منصفانہ ہو وہ قسمت — کہ تا ہر فرد ہو سرگرم فرحت
جسے درکار ہو مانگے یہاں سے — نہ جھینپے کوئی عاجز میہماں سے
کمی یاں کچھ کسی شے کی نہیں ہے — یہ بزمِ دعوتِ شاہِ زمیں ہے

ضعیفوں کی قوی خدمت بجا لائیں — انھیں بٹھلا کے اپنے ساتھ کھلوائیں
جلد۴
نہیں بولیں پھریں دیکھیں سنیں کھائیں — سپاسِ میزباں دل سے بجا لائیں

پیامِ شاہ جب پہنچا چکا وہ
مخاطب ہو کے پھر کہنے لگا وہ

سنو اے میہمانوں تم مری بات — کہ بزمِ امتحاں ہے آج کی رات
شہنشاہِ دو عالم میزباں ہے — خوشا بخت اس کا جو یاں میہماں ہے
سحر قصرِ شہنشاہی کھلے گا — سجے ہیں جس میں کمرے لاکھوں زیبا
دکھائے آج جو جیسی لیاقت — اسی درجہ کی کل پائے وہ نعمت
زباں پر میری ہی جس قصر کی بات — اسی کا نام ہے دار المکافات
سمجھ اور سوچ کر اب تم بیو کھاؤ — ملا ہے حکم جو تم کو بجا لاؤ
وہ دیکھو غرفۂ ایواں کھلا ہے — تمہارا میزباں خود دیکھتا ہے
ذرا بھی کچھ چھپا سکتے نہیں تم — نظر اس کی بچا سکتے نہیں تم
کوئی جو کچھ فسوں سازی کرے گا — دل اس کا اس کی غمازی کرے گا

ہر اک کو عرض بیگی نے جتایا
مگر ہر اک نرالا رنگ لایا

کوئی تو پینے کھانے میں ہوا محو
کوئی گانے بجانے میں ہوا محو

جلد کسی نے دست جبر اپنا بڑھا کر
گلا گھونٹا کسی عاجز کا جا کر

کریم النفس تھے ایسے بھی اکثر
کہ کمریں باندھ کر مانند چاکر

ضعیفوں کی لگے کرنے مدارات
بہ دل تعمیل کی جو کچھ سنی بات

کچھ ایسے بھی وہاں آزاد دیکھے
جو یکسوئی کی دھن میں شاد دیکھے

وہیں ایسے بھی دیکھے عالی ہمّت
کہ اپنے حصّہ کے خوانوں کی نعمت

لگے تقسیم کرنے خود نہ کھا کر
کریموں کی طرح سب سے چھپا کر

نظر ایسے بھی آئے پاک طینت
نہ ہے ان کو کسی شے سے بھی رغبت

سوئے ایوان شاہی لو لگائے
کھڑے ہیں دم بخود آنکھیں ملائے

بندھی ہے ٹکٹکی تن کا نہیں ہوش
بھرا ہے دل میں شوقِ دید کا جوش

خردمند ایسے بھی واں میں نے پائے
سوئے ایوان شاہی لو لگائے

غریبوں کی بھی خدمت کر رہے ہیں
عتابِ شہ سے دل میں ڈر رہے ہیں

کھلاتے بھی ہیں اور خود بھی ہیں کھاتے
خوشی پہنچا کے ہیں خوشیاں مناتے

بہت ایسے بھی دیکھے میں نے بیباک
سمجھتے تھے جو خود کو فن میں چالاک

لگے جیبیں کترنے دھوکے دے کر
جو کچھ پایا چلے مٹھی میں لے کر

کہیں پر ہے غضب بدکار خونخوار جفا پیشہ ستمگر مردم آزار
غرض ہر اک تھا حالِ خاص ہیں محو بطرزِ خود خیالِ خاص میں محو

بغور ان کے جو دیکھے ہیں نئے احوال
نظر آیا مجھے پھر اک نیا حال

گرہیں سب کے اک پھندا پڑا ہے بہت باریک ڈورے سے بندھا ہے
اور اس ڈورے میں گرہیں سی ہوئی ہیں وہ سب نوبت بہ نوبت کھل رہی ہیں
مگر ہے مختلف گرہوں کی تعداد نہیں تعداد ان سب کی مجھے یاد
کسی میں دس کسی میں بیس یا تیس کم از کم ایک زیادہ ایک سو بیس
گرہ کے آگے پیچھے اور برابر بنے ہیں کچھ نشاں ڈورے کے اوپر
سرا ڈورے کا ہے پردے کے باہر کوئی تھامے ہوئے ہوگا مقرر
کشش ڈورے کی ہے باہر کو پیہم نہیں تھمتا کسی ساعت کسی دم
نشانِ خاص تک جس وقت پہنچا لگاتا ہے کوئی باہر سے جھٹکا

پتا ملتا نہیں پھر یہ فتنی کا
گزرتی ہے نہ معلوم اس پہ پھر کیا

تماشا میں نے یہ دیکھا بیا ہے بجاتا تھا ابھی اک خوش ادا سے

[illegible]   نہ آیا تھا کبھی گویا یہاں وہ
اٹھی [illegible] شوکت وشانہ   حسینِ دہر یکتائے زمانہ
[illegible] آنکھ [illegible]   [illegible] تھا سر بہ جبین پر
یکایک [illegible] جھٹکا [illegible]   کبھی پردے سے باہر پھر نہ آیا
کوئی ہوتے ہی داخل جھٹکا کھا کر   پھرا الٹے قدم صورت دکھا کر
لگا تانتا پر آمد شد کا ایسا   کہ اب تک ہے مجھے بالکل اچنبھا
ہوئی وہ گرمیِ محفل کہ مت پوچھ   بیانِ لطف سے مشکل کہ مت پوچھ
مگر آدھی پڑے پھیکا پڑا رنگ   لگے سب اونگنے ہونے لگے تنگ

لگے ڈوروں میں بھی جھٹکے پیاپے
کوئی خوش اور کوئی ناشاد اٹھے

بوقتِ صبح کی میں نے نظر واں   وہ محفل گاہ تھی اک ہو کا میدان
تاسف سے ہوا میں دل میں ششدر   کہا خادم نے شہ کے مت ہو مضطر
ہزاروں محفلیں ہیں لاکھوں مہماں   ابھی تک تو نے کیا دیکھا ہے ناداں
شہنشاہانہ فیاضی ہے دائم   ازل سے ہے ابد تک یونہی قائم
بجا لا حکمِ شاہی شادماں رہ   ہر اک محفل کا رنگیں میہماں رہ

مطیعوں پر کھلے ہیں باب رحمت
ہوئے سب پاس [illegible] رحمت

حضوری ملتی ہے اہل طلب کو
خطاب قرب ارباب ادب کو

خیالِ غیر سے مطلب نہ رکھنا
توقع غیر سے [illegible] رکھنا

کیا کر بیکسوں کی دستگیری
یہی ہے شاہ کی فرماں پذیری

یہ کہکر خادمِ شاہی بعجلت
ہوا مجھ سے ملا کر ہاتھ رخصت

تعجب ہے مجھے یہ راز کیا تھا
ہوئی کس طرح برہم بزمِ زیبا

خیالِ احمدی کیوں ہو پریشاں
حضورِ آستانِ پاکِ یزداں

احمدی

۵۲ - فکرِ عاقبت

آئینہ رکھدے بہارِ غفلت افزا ہو چکی
دل سنوارا اپنا جوانی خود آرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینتِ آرائشِ قصرِ معلیٰ ہو چکی

بیخودی کی دیکھ لذت ترک کرکے آرزو
ہو چکی حدِ ہوس مشقِ تمنا ہو چکی

حسنِ مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جام
روئے زیبا ہو چکا زلفِ چلیپا ہو چکی

چل بسے یارانِ ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبرؔ فکر دُنیا ہو چکی

اکبرؔ

۵۳۔ فکرِ عاقبت

کیا وہ دنیا جس میں کوشش ہو نہ دین کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

خوں کے دریا بہہ گئے عالم تہہ و بالا ہوئے
اے سکندر کس لیے دو گز زمیں کے واسطے

ذوقؔ عاصی ہے یہ اس کا خاتمہ کیجو بخیر
یا الٰہی اپنے ختم المرسلیں کے واسطے

ذوقؔ

۵۴۔ مآلِ زندگی

تھیں تمہیں چند اپنے ذمّہ دھر چلے   کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا — ایک دم آئے اِدھر اُودھر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں — چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
ہم جہاں سے آئے تھے تنہا ولے — ساتھ اپنے اب اُسے لے کر چلے
جوں شرر اے ہستیٔ بے بود یاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

درد

۵۵- بہارِ زندگی

یہ ہے دورِ ہستی کی سچی مثال — گلستاں میں جو فصلِ گل کا ہے حال
اِدھر آج بادِ بہاری چلی — چمن کو بہاری سواری چلی
تماشائے گل کا مزا آج ہے — کہ گھنگھور چھائی گھٹا آج ہے

جلد ۴

سحابِ کرم آج شوروں پہ ہے ۔۔۔ تمنا پیاسوں کی زوروں پہ ہے
عجب لہلہاتا ہے سبزہ کہیں ۔۔۔ بیاں جس کی خوبی کا ہوتا نہیں
ستم غنچوں کا مسکرانا کہیں ۔۔۔ غضب پھولوں کا کھلکھلانا کہیں
کہیں لطف سے ہے رواں آبجو ۔۔۔ کہیں بھینی بھینی ہے پھولوں کی بو
کہیں چاندنی ہے کہیں ابر ہے ۔۔۔ تماشائیوں کو کہاں صبر ہے
کسی کا ہے پھولوں سے دامن بھرا ۔۔۔ کہیں پھول کا ہے کٹورہ دھرا
غضب ہے کہ دو دن ہے فصلِ بہار ۔۔۔ چڑھے گا چمن پر خزاں کا بخار
یہی ہستیِ چند روزہ بھی ہے ۔۔۔ کہ دو دن میں ہے دفترِ عیش طے
اسی زندگانی پہ سب مست ہیں ۔۔۔ کہ دو دن میں سب حوصلے پست ہیں

اسی نقشِ موہوم پر ناز ہے
جہاں اک طلسمِ خدا ساز ہے

ہے ہر شخص کی حرص دامن کشاں ۔۔۔ طمع سے نہیں کوئی خالی یہاں
کوئی ملک گیری میں بیتاب ہے ۔۔۔ کوئی عیش و عشرت میں بیخواب ہے
کسی کو ہے نام آوری کا خیال ۔۔۔ کوئی جمع کرتا ہے کوشش سے مال
کہیں ہے تمنائے تحصیلِ علم ۔۔۔ کہیں ہے خیالِ بزرگی و حلم

کوئی بے بہا شال میں مست ہے
کوئی اپنی ہی کھال میں مست ہے

جلد۴

جو ھرا

۵۶۔ کارواں سرائے

سنو اے عزیزانِ ذی ہوش و عقل | کہ اس کارواں گہہ سے کرنا ہے نقل
پیمبر ہے، شہ ہے کہ درویش ہے | سبھوں کو یہی راہ درپیش ہے
کہو گے کہ آگے تھا کہتا کوئی | نہیں اس سرا بیچ رہتا کوئی
یہ بیٹھے جو ہیں سامنے ہیں کہاں | جہاں جملہ ہے ایک بزمِ رواں
جسے دیکھو چلنے کا گرمِ تلاش | یہ منزل نہیں جائے بود و باش
گدا ہو کہ، ہو شاہِ عالی تبار | تہِ خاک سب کا ہے دار القرار
نہ یک بوئے خوش ہی ہوا ہو گئی | وہ رنگینیِ باغ کیا ہو گئی
ملے خاک میں جھڑ کے گلہائے تر | پریشاں ہوئے مرغِ گلشن کے پر
گئی خاک دامن فشانی کے ساتھ | رہا آب سو بھی روانی کے ساتھ
نہ جدول رہے گی نہ سرو رواں | گلستاں کو یاد دیں گے بو کا مکاں

سکوں یاں کا دیکھا سراسر شتاب چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب
جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب
نہیں جائے باش اور جا ہے عجب

میر

۵۷۔ سفر آخرت

کرو نہ دیر جہاں میں جہاں سے آئے چلو
یہاں گمان خطر ہے قدم بڑھائے چلو
یہاں فریب نشیب و فراز اکثر ہے
خدا کے واسطے اتنا نہ منہ اٹھائے چلو
شکستہ پا ہوں کہیں ساتھ سے نہ رہ جاؤں
مجھے بھی ہاتھ ذرا دوستو لگائے چلو
ہمیشہ ملک عدم کے بنے رہو سفری
ادھر سے لینے کو پیک قضا جب آئے چلو
ادھر ادھر کہیں بھر کر ترا رہ جانہ پڑے
سمند عمر رواں کو ذرا دبائے چلو
ابھی تو حسن عمل کا زمانہ باقی ہے
وہاں کی بگڑی ہوئی کچھ یہیں بنائے چلو
عدم میں ترسو گے درد جگر کو اے تسلیم
جو ہو سکے کوئی سینہ پہ تیر کھائے چلو

تسلیم

۵۸۔ موت نقارہ

جلد۲

بٹ مار اجل کا آ پہونچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا

دل ہاتھ اُٹھا اِس جینے سے بے بس من مار مرو بابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا چاندی بال ہوئے مُنہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہٹے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہوتی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یوں پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو
اور پوپلے مُنہ سے روٹی کو مت ٹھمل کر ہلکان کرو

اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو
کچھ لابھ نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

نظیرؔ

۵۹ - ہنس

آیا تھا کسی شہر سے اک ہنس بچارا — اک پیڑ پہ جنگل کے کیا اس نے گزارا
رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر — اس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

دیکھا جو اسے طائروں نے حسن میں خوش رنگ
وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا

باز و لگڑ و باشہ و شاہیں ہوئے عاشق
شکروں نے بھی شکر سے کیا اس کا مدارا جلد

کچھ لال چڑے پوٹنے پدّی ہی نہ غش تھے
پدڑی بھی سمجھتی تھی اسے آنکھ کا تارا

زاغ و زغن و طوطی و طاؤس و کبوتر
سب کرنے لگے اس سے محبت کا اشارا

جتنے تھے غرض جانور اس پیڑ کے اوپر
ان سب نے محبت میں دل اس ہنس سے ہارا

صحبت جو ہوئی ہنس میں اور جانوروں میں
اک حیند ہوا خوب محبت کا گزارا

اس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے
اک روز وہ یاروں کی طرف کہکے پکارا

لو یارو ہم اب چلتے ہیں کل اپنے وطن کو
یہ پیڑ مبارک رہے اب تم کو تمھارا

اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اڑے ہوش
سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلیں گے
یہ درد تو اب ہم سے نہ جائے گا سہارا

اتنے میں شب کوچ ہوئی صبح نمودار
پر اپنا ہوا پر جو ہیں اس ہنس نے مارا

سب ساتھ اڑے اس کے جو تھے یار ہوا خواہ
ہر ایک نے اڑنے کے لیے پنکھ پسارا

کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اڑا کوس
کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس یہ ہارا

دس کوس اڑی یہ جو ہوئی ماندگی غالب
پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا

چیلیں رہیں کچھ گرے اور باز بھی تھک گئے   اس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

نظیر

۹۰- سفرِ آخرت

کچھ دن بشر اس خانۂ دنیا میں ہے مہماں   دستِ ملک الموت میں ہے سب کا گریباں
زندوں میں ہیں گر آج تو کل ہونگے بیجاں   پہلے سے ہی لازم سفرِ مرگ کا ساماں
اعمال و عقائد میں نہ ہرگز خلل آئے
کیا جانئے کس وقت پیامِ اجل آئے

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند   عرصہ نہیں کھل جائیگا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سے خدا ہوئے رضامند   ہوشیار کہ ہوتا ہے تمھیں خاک کا پیوند
پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہہ شاہ و گدا کُنج لحد ہے

اس زیست پہ بھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد   گھر سیکڑوں یاں سیل فنا نے کیے برباد

دُنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد
اس قالبِ خاکی کی عجب سست ہے بنیاد
کل آج یہ جو لوگ تھے وہ زیرِ زمیں ہیں
ہے خاک کا ڈھیر اب یہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں

دُنیا یہ سدا عبرت و اندیشہ کی جا ہے
یاں کیسا مقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے
جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے
رہ جائے نہ کوئی یہی آوازِ درا ہے
ہے راہ کڑی زادِ سفر پاس نہیں ہے
منزل پہ پہنچنے کی ہمیں آس نہیں ہے

انیس

۶۱- دنیا کی ہستی

جائے بود ن تو نہ تھی دنیائے دوں
اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا
اس کارواں سرا میں کیا میرؔ بار کھولیں
یاں کوچ لگ رہا ہے شام و سحر ہمارا
خوابِ غفلت میں ہیں یاں سب تو عبث جاگا میرؔ
بے خبر دیکھا انھیں میں جنھیں آگاہ سنا
قافلے میں صبح کے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا
جانہ
سب شور ما و من کا لئے سر میں مر گئے
یاروں کے اس فسانہ نے آخر سلا دیا

میر

۶۲- امراؤ مرگ

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

اک آن میں بدلتی ہے صورت جہان کی جلد اس نگار خانہ سے کر انتقال چل
سالک بہر طریق بدن ہے وبالِ جاں یہ بوجھ تیرے ساتھ جو ہے اس کو ڈال چل
آوارہ میرے ہونے کا باعث وہ زلف ہے کافر ہوں اس میں ہو جو اگر ایک بال چل
دنیا ہے میر حادثہ گاہِ مقرری
یاں سے تو اپنا پاؤں شتابی نکال چل
آیا جو واقعہ میں درپیش عالم مرگ یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا

آسودگی جو چاہی تو مرنے پہ دل کو رکھ آشفتگیِ طبع بہت کم ہے زیرِ خاک

تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعدِ مرگ
مت اضطراب کر یہ کہ عالم ہے زیرِ خاک

صدیہ

۶۳ - قدیم سادہ زندگی

یاد ایام کہ بیرنگ تھی تصویرِ جہاں دستِ مشاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دوراں
گل خودرو سے بسا تھا چمنِ کون و مکاں چار سو حسنِ خداداد کا سکہ تھا رواں

وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالم پیر تھے ہم اک صنعتِ بیچون و چرا کی تصویر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر

خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم

آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم — دردِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے سیکھکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی — دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی — ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی
عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی — روبرو جسکے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی — آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی
روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم — عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم — آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم
تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا — گبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا — جی میں فرعون نہ ہاں بننے کا ارمان نہ تھا
آ کے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے
اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِ مو — سب تھے ہم ایک ترائی کے درخت خود رو
حاجتیں لیکے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو — نہ زمین بوسی کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو
دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہاتھ نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

آمدِ موسم گل میں تھا عجب لطف ہوا — آندھیوں نے کیے انجام کو طوفاں پیدا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا — جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا
مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

حالی

۴۶ - معیارِ زندگی

خرابیِ افلاس

الحذر اس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
لومڑی جاتے ہیں بن جس کی بدولت شیرِ نر

چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی تمام
آنسوؤں کے تار بیچا سمجھتے ہیں اہلِ ہنر

وزن میں علم و فضیلت جنکی ہے ہم سنگ کوہ
وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر

فقر و حاجت میں نہ ہو انسان کو جب تک شکیب
پھر نہیں کوئی برائی فقر و حاجت سے بتر

بھیک منگوائے جو کھلوائے یہ چوری کرائے
پیٹ کٹوائے آبرو کھوئے پھرائے دربدر

ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یادِ اللہ کی
لے سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر

گہ زبان آلودہ اس کی شکوۂ تقدیر سے
اور کبھی بوچھاڑ اس کی آسمان پر ہے

گہ بخیلوں کی مذمت پہ کبھی آ جائے وہ
ہو نہ سب دشنام سے سیری اسے دو دو پہر

اگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاقِ بزم تلخ
کھول دے غیبت کا دفتر اہلِ دولت کی اگر

گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے
تا کہ دولتمند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ سر

اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
تا کہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و زبر

بے حلاوت اسکی دنیا اور مذہب اسکا دیں
خوفناک اسکا ارادہ نیت اسکی پُر خطر

رات اسکی حسرت آگیں اور دن اندوہ گیں — شام اس کی پُر نحوست اور مشوم اسکی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا — تھا مگر ثروت میں اس سے بھی زیادہ شور و شر
فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت سوا اس کے کہ شکر کی طاقت نہیں

نشۂ دولت

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال — اس نئے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
نفس امارہ اور اس پر چھیڑ مال و جاہ کی — ڈھیر ہے بارود کا دیجے پتنگا جس میں ڈال
باد صرصر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں — جس طرح جذبات نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال
ہضم کرنا اور پچانا مال و دولت کا ہے بس — نفس انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال
ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم — اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال
عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انساں پر حرام — کر دیے اس کے لیے سب مال و دولت نے حلال
فقر میں تھا نفس دل واماندہ حرص و آز سے — آکے ثروت نے دیے پر واسطے اسکے نکال
خواہشیں یعنی نفس میں اب دمبدم بڑھنے لگیں — مغز میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال
آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس — چیونٹیوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال

مُسرفِ بے زر ہو جیسی قرض خواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اسطرح جکڑا ہوا ہی بال بال

جھک گئی طبعِ دنی گر بخل و خست کی طرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اسکی وبال

اور اگر بھوت اسکے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون کچھ آگے اسکے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقائے حرص
ہی سمندر سے بھی اس کی پیاس کا بجھنا محال

باڑ پر تلوار کے چلنا نہیں شاق اسقدر
جسقدر ثروت میں ہی دشوار پاس اعتدال

گلشن دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ اے روباہِ نفس ہی حذر ان سے حذر

جلد ۳

متوسط زندگی

شکر اس نعمت کا یارب کر سکے کیونکر زباں
تو نے رکھا ہم کو یہاں فقر و غنا کے درمیاں
جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش
پر نہ اتنی۔ معدہ و احشا پہ جو گزرے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آب شیریں اور خنک
پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں

ڈھانکنا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا جس کو حسرت سے تکیں خرد و کلاں
کھانے پینے کو کئے برتن ہمیں تو نے عطا
پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جن کے ہو خوف زیاں
سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
پر ایسا۔ جس سے اٹھنا ہو طبیعت پر گراں
رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے۔ ہو تعلق جن سے مثل جسم و جاں
کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسی۔ تخت فرعونی کا ہو جس پر گماں
سیم و زر وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی میں جس کی بیم جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی جس سے ہوں محسود ابنائے زماں
نعمتیں اکثر ہمیں بعد مشقت تو نے دیں
تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں

راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد
جلد ۱
تا کہ کھو بیٹھیں نہ ہم ان راحتوں کو رائیگاں

وقت پر کرتا رہا باران رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونوں سے بچایا بال بال

حالی

۶۵- زر پرستی

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی بابا   دکھ اس میں تری روح بہت پاوے گی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترساوے گی بابا   دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آوے گی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا

دولت تو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات   کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے رہے اسکے ترا اونچا سدا ہاتھ   اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی   چڑھتی ہے پہاڑوں کی اوپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی   تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی

خشکی ہیں تری ناؤ یہ ڈبوا دے گی بابا

جلد ۲
گر ہوش ہے تجھ میں تو سنبھل کا نہ کر کام	اس کام کا آخر کو برا ہوتا ہے انجام
تو سے گا کوئی کہہ کے کوئی دیوے گا دشنام	زنہار نہ لگا کوئی ہر صبح ترا نام

بیزار ہیں تیرے نام پہ لگوا دے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن	گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج یہ قاروں کے ذرا دھیان	جیسا ہی اسے لے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلا دے گی بابا

نظیر

۶۶۔ فقیر کی صدا

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

محتاج خراباتی یا پاک نمازی ہے	کچھ کر نہ نظر اس پر وہاں نکتہ نوازی ہے

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا کے کیا کرتا ہے سینکڑوں دھندے	پر کام خدا را بھی کرلے کوئی یاں بندے

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا ہی سرائے میں تو بیٹھا مسافر ہے اور جانا ہی یاں سے جانا تجھے آخر ہے

جلد ۴

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھ کو تو نام پہ رب کے دے گر یاں نہ دیا تو نے داں دیو یگا کیا بندے

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دیوے گا اسی کو تو وہ جس کو ہے دلواتا پر ہے یہ ظفرؔ تجھکو آواز سنا جاتا

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

ظفر

۶۷۔ مفلسی میں تسلّی

بے زری کا نہ کر گلا غافل
رکھ تسلّی کہ یوں مقدّر تھا

اتنے منعم جہان میں گذرے
وقتِ رحلت کے کس کنے زر تھا

صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال
دیکھ از انجملہ اک سکندر تھا

تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں
ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا

لعل و یاقوت ہم زر و گوہر
چاہیے جس قدر میسّر تھا

آخرِ کار جب جہاں سے چلا
ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میر معلوم ہے قلندر تھا

میر

۶۸۔ فقیری

نہ ہے دولت بقیاسِ فقیری | امیری ہے زیرِ لباسِ فقیری
فقیر اس کو کہتے ہیں جو پاس اپنے | نہ رکھتا ہو کچھ غیر پاسِ فقیری
سوال ان سے کر تو نہ دنیا کے دوں کا | فقیروں سے کر التماسِ فقیری
ظفر وہ سمجھتا ہے تیرا کنایہ
جو ہے رمز دانا شناسِ فقیری

ظفر

۶۹۔ توکّل

گو مالکِ ملک و مسند و تاج نہیں | پر مجھ سا غنی جہان میں آج نہیں
صد شکر اے رند اپنے خالق کے سوا | دنیا میں کسی غیر کا محتاج نہیں

رندؔ

راضی ٹک آپ کو رضا پر رکھئے مائل دل تنگ کو قضا پر رکھئے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے میر سب کچھ موقوف اک خدا پر رکھئے

جلد ۲

میر

۷۔ حکمت

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے ہے کہ دنیا ہوئے بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

کتنوں کا جہاں میں زر و مال ہے شکر کتنوں کا ہے با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن شاکر ہے وہی جسکو ہر حال ہے شکر

افسوس کریموں میں نہیں یہ دستور مفلس پہ کرم کرکے نہ ہوویں مغرور
جھکتا ہے اگر شاخ ثمر دار کا ہاتھ پھل دے کے وہیں آپ کو کھینچے ہے دور

سودا

۱۷۔ توکّل

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے — اور درد دل کا اپنے کسی کو تو مت سنائے جلد۴
مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے — مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

قادر قدیر خالق و حاکم حکیم ہے — مالک ملیک حیّ توانا قدیم ہے
دونوں جہاں میں ذات اسی کی کریم ہے — یعنی اسی کا نام غفور الرّحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

س کے سوا کسی کے کنے گر تو جائیگا — اس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہو کے یونہی تو خالی پھر آئیگا — بن حکم اس کے یار تو اک جو نہ پائیگا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے — اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منہ چھپائے
ت حکم اس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے — گر چلّو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس — محتاجگی سے آپ وہ بیٹھا ہے جی اداس
ماں باپ یار دوست حلیف سب ہیں پراس — ہر دم اسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر — اللہ ہی بس غنی ہے میاں اور ہیں سب فقیر
کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سریر — جو مانگنا ہے اس سے ہی مانگو میاں نظیر
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نظیر

۶۲۔ حکمت

ہے یوں یاد مجھکو کہ پیش از تمیز — رکھے تھا میں مٹی نہایت عزیز
پدر نے جو اک روز دیکھا یہ حال — دی مٹی کچھ اک لاکے گھر بیچ ڈال
پر اس مرتبہ تلخ کی تھی وہ سب — کہ کڑواہٹ اس کی زباں پہ ہے اب
نہ کچھ اس سے جو لیکر میں کھایا کہیں — نہ دیکھا کبھو پھیر سوئے زمیں
نہ کرتا وہ یہ فکر گر اس طرح — تو مجھ سے یہ خو چھوٹتی کس طرح

ہی تجھ سے یہی صحبت روزگار کہ ناداں ہی تو اور وہ دانائی کار

جلد ۲

رکھا چاہتا ہی تجھے جس سے باز کرے ہی تیرے کند دندان آز

بخور ہر چہ آید ز دست حبیب

کہ بیمار دانا تر است از طبیب

قائم

۳۷ - دُعا

ہیں مرد تو وہی کوئی جن کا ہی فن درست حرمت ہی ان کے واسطے جن کا چلن درست

رہتا نہیں کسی کا سدا مال دھن درست دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انھیں کے تئیں کہیے بادشاہ جن کے بدن درست ہیں ن ات سال و ماہ

جن پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ بڑھ کر پھر ان سے کونسی دولت ہی واہ وا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اب امیری و حشمت پناہی ہے   بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
جلد ۲ یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے   سچ پوچھئے تو عین یہ فضل الٰہی ہے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اس کا بھرا ہی تمام گھر   بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہو سربسر   پھر نہ کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں   ہو تندرست اور ملے حرمت سے نیم ناں
قسمت سے گر یہ دونوں میسر ہوں پھر تو یاں   بس ایسی اور کونسی نعمت ہے میری جاں
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل   جبتک یہ کل بنی ہے تبھی تک ہے سب ہی کل
گر ہو خدانخواستہ اک کل بھی چل بچل   پھر نہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اعلیٰ ہو یا کہ ادنیٰ تونگر ہو یا فقیر
یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا امیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر
جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر[جلد]
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

نظیر

۷۴- کمالِ کامل

ملیے اس شخص سے جو آدم ہوئے
ناز اس کو کمال پر کم ہوئے
ہو گرم سخن تو گرد کر دے اک خلق
خاموش رہے تو ایک عالم ہوئے

میر

۷۵- فروتنی

نزدیک اپنے آپ کو جو کھینچتے ہیں دور
دیکھا تو صاف فہم میں کچھ ان کے ہے قصور
ورنہ جو باصفا ہیں خردمند ذی شعور
کیا دخل ان کو آوے کبھی نخوت و غرور
رکھتے غبارِ کینہ سے وہ سینہ صاف ہیں
ہر نیک و بد سے صورتِ آئینہ صاف ہیں

کیا کیا جہاں میں ہو چکے شاہانِ ذی کرم — کس کس طرح سے رکھتے تھے ساتھ اپنے وہ حشم
آخر گئے جہاں سے تنہا سوئے عدم — دارا کہاں کہاں ہے سکندر کہاں ہے جم

کوئی نہ یاں رہا ہے نہ کوئی یہاں رہے
کچھ اے ظفر رہے تو نکوئی یہاں رہے

ظفر

۷۶- آزمائش

کیا کلام یہ سودا سے ایک عاقل نے — کسو سے ربط کوئی زیر آسمان نہ کرے
کیا جو تجربہ ان دوستوں کو بد پایا — بدی کا جن پہ کسی طرح دل گمان نہ کرے
یہ سن کے اس سے کہا مسکرا کے سودا نے — شکایت اتنی کسو کی کوئی بیان نہ کرے

بھلے بری کی تجھے امتحاں سے ہے کیا کام
یہ شکر کر کہ کوئی تجھ کو امتحاں نہ کرے

سودا

۷۷- غصہ ضبط کرنا

دل میں جب کوند جائے برق غضب — اور طبیعت ہو انتقام طلب

اس خطرناک مقام میں جو مرد — کر سکے آتش غضب کو سرد
ڈانٹ کر دیدۂ نفس کو لے تھام — اور نہ لائے زباں پہ سخت کلام
مشورت عقل کی سنے اس دم
ہے وہی اپنے وقت کا رستم

اسمٰعیل

جلد

۷۸۔ حکمت

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

دلِ بدخواہ میں تھا مارنا یا چشمِ بدبیں میں
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

ذوق

۷۹۔ حکمت

کب دل شکستگاں سے کرعرض حال آیا
ہے بے صدا وہ چینی جسمیں کہ بال آیا

کونین تک ملی تھی جس دل کی مجکو قیمت
قسمت کہ اک نگہ پر میں اسکو ڈال آیا

بخشش پہ دو جہاں کی آئی تھی ہمت دہر
لیکن نہ یاں زباں تک حرفِ سوال آیا

نازاں نہو تو اسپر گر تجھکو سنگ میں سے
گوہر نکالنے کا کسب و کمال آیا

دریاب فہم آگے وہ صاحب ہنر ہے
کینہ کسی کے دل سے جسکو نکال آیا

اکسیر ہی تو کیا ہے وہ مشتِ خاک سودا
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

سودا

۵۰۔ حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دون ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حملہ پہ اس کے غالب آ جاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جنکو نادانی سے حملے اسکے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیے سب عقل نے ہتیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جسکے اتراتے تھے ہم

حالی

۵۱۔ مکاریٔ نفس

نفس دعویٰ بیگناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا
حق ذی احساں ہیں سو کی اور میرے کفراں میں بھی
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چھُپکے چھُپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا!
طاعتوں کی نہ دسے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
وار اُن کا اس لیے اکثر خطا کرتا رہا
نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اس کو چپلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا
منہ تہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ تیں
اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا

تھا نہ استحقاق بخشیں پہ بڑی بخشیں سدا ۔۔۔ حق ہی جود و دل ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں ۔۔۔ کبر نفس اتنا ہی یہاں نشو و نما کرتا رہا
ایک طرح سے وفا کی تو نے اے حالی، مگر
نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

حالی

۸۲۔ در پردہ تفاخر

زاہد نے کہا۔ "زینت و اسباب پہ جو لوگ
اتراتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے"
حالی نے کہا "جن کو ہے اترانے سے نفرت
اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے"

حالی

۸۳۔ پاس نیکنامی

اے نیک نام شکر کر اللہ کا ادا ۔۔۔ جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیکنام

ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا — پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام جید

حاشا کہ تجھکو خوف خدا کا ہو اس قدر

جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص و عام

حالی

۸۴۔ عصمت بی بی ست از بے چادری

اے بیواؤ منتے ہو کیا منعموں پہ تم — اخلاق میں کچھ ان کے اگر آ گیا بگاڑ

تم زدے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے — ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ

اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش

گر تم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو اجاڑ

حالی

۸۵۔ قدر فرصت

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے — فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے

جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے — اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مُہلت

حالی

علامہ

۸۶- دورِ شباب

زندگی کا پھول تھا وقتِ شباب — اس کو اے غافل۔ نہ کرنا تھا خراب
وقت تھا یہ بیش قیمت کام کا — یہ نہ تھا موقع ترے آرام کا
شہد بھی ہے یہ جوانی زہر بھی — یہ ہوا مہر بھی ہے۔ قہر بھی
اس میں شیرینی بھی ہے۔ تلخی بھی ہے
کامرانی بھی ہے۔ ناکامی بھی ہے
جب ہوا دل مشیر اس کی بنی — یہ سمجھ لے پھر جوانی ہو چکی
سرکشیِ نفس بد انجام ہے — دشمنِ دیں دشمنِ آرام ہے
اس پہ جو غالب رہا وہ مرد ہے — آسمان اس کا شریکِ درد ہے
رحمتِ حق اس پہ برساتی ہے نور
اس سے رہتی ہیں بلائیں دور دور

جلد۴

جو ہوا مغلوب وہ بدکیش ہے
بےخبر ناعاقبت اندیش ہے

اس پہ لاتا ہے مصیبت یہ شباب
اس پہ ڈھاتا ہے قیامت یہ شباب

الجھنوں میں رات دن رہتا ہے وہ
دکھ ہزاروں طرح کے سہتا ہے وہ

وہ سرور عافیت پاتا نہیں
سچ تو یہ ہے۔ اسکو چین آتا نہیں

گوہر رامپوری

۷۸۔ محنت کرو محنت کرو

ہے امتحاں سر پر کھڑا محنت کرو محنت کرو
باندھو کمر بیٹھے ہو کیا محنت کرو محنت کرو

بیشک پڑھائی ہے سوا اور وقت ہے تھوڑا رہا
ہے ایسی مشکل بات کیا محنت کرو محنت کرو

محنت کرو انعام لو انعام پر اکرام لو
جو چاہو گے مل جائیگا محنت کرو محنت کرو

جو بیٹھ جائیں ہار کر کہدو انہیں للکار کر
ہمّت کا کوڑا مار کر محنت کرو محنت کرو

تدبیریں ساری کر چکے باتوں کے دریا بہہ چکے
بک بک سے اب کیا فائدہ محنت کرو محنت کرو

محنت جو کی جی توڑ کر ہر شوق سے مُنہ موڑ کر
کر دوگے دم میں فیصلہ محنت کرو محنت کرو

کھیتی ہو یا سوداگری ہو یا ہنر ہو جا ترقی
سب کا سبق یکساں سنا محنت کرو محنت کرو

جس دن پڑھو تم ہو گئے دنیا کے دھندوں میں پھنسے
پڑھنے کی پھر فرصت کہاں محنت کرو محنت کرو

بچپن رہا کس کا سدا انجام کو سوچو ذرا
پیٹ کو کھاؤ گے کیا محنت کرو محنت کرو

آزاد

۸۸ — کچھ تو کیا چاہیے

ہو گی طلب خیر یاں کچھ تو کیا چاہیے
بیٹھے نہیں بنتی ہاں کچھ تو کیا چاہیے

ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بے خبر
چلنے کو ہے کارواں کچھ تو کیا چاہیے

ہو نہ سکے گر نماز دل کی طرف کر نیاز
وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہیے

چاہوں کسو سے دعا دل کی کروں اب دوا
نفع ہو پھر یا زیاں کچھ تو کیا چاہیے

عمر گئی لغو سب وقت بہت کم ہے اب
کچھ نہ کیا ہائے یاں کچھ تو کیا چاہیے

کیا کروں دل خوں کروں شعر ہی موزوں کروں
چلتی ہے اب تک زباں کچھ تو کیا چاہیے

میکدہ نہیں پیر تم کا ہی اللہ رے
نام خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیے

کوشش کیے جاؤ

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل تو بیشک وہ گھس جائے پتھر کی سل
رہو گے اگر یوں ہی تم مستقل [illegible]
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اٹھاؤ مصیبت بھرو طلب میں جیو جستجو میں مرو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو بازی میں سبقت لیجاؤ تم خبردار ہرگز نہ گھبراؤ تم
نہ ٹھٹکو نہ جھجکو نہ پچتاؤ تم ذرا صبر کو کام فرماؤ تم
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

تردد کو آنے نہ دو اپنے پاس ہے بیہودہ خوف اور بیجا ہراس
رکھو دل کو مضبوط قایم حواس کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ آس
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

کرو شوق و ہمت کا جھنڈا بلند کداؤ اولوالعزمیوں کا سمند

اگر صبر سے تم سہو گے گزند   تو کھلاؤ گے ایک دن فتح مند
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو   جلد ۱۴

اسمٰعیل

۹۰۔ عشق

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن   بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

گزارا کبھو نہ وہم میں وہ اہلِ ہوش کے   دنیا سے لطفِ زیست جو دیوانہ لے گیا
پہلے قدم کے نقش پہ جبیں کا گرا ہے سر
گو راہِ عشق میں وہی مردانہ لے گیا

سودا

۹۱۔ ایک وقت میں ایک کام

ہے کام کے وقت کام اچھا   اور کھیل کے وقت کھیل اچھا

جب کام کا وقت ہو کرو کام بھولے سے بھی کھیل کا نہ لو نام
ہاں کھیل کے وقت خوب کھیلو
کودو پھاندو کہ ڈنڈ پیلو

خوش رہنے کا ہے یہی طریقہ ہر بات میں چاہیے سلیقہ
ہمّت کو نہ ہار یو خدارا مت ڈھونڈیو غیر کا سہارا
اپنے بوتے پہ کام کرنا
مشکل ہو تو چاہیے نہ ڈرنا

جو کچھ ہو سو اپنے دم قدم سے کیا کام ہے غیر کے کرم سے
چھوڑو نہیں کام کو ادھورا بیکار ہے جو ہوا نہ پُورا
ہر وقت میں صرف ایک ہی کام
پا سکتا ہے بہتری سے انجام

جب کام میں اور کام چھیڑا دونوں ہی میں پڑ گیا بکھیڑا
جو وقت گزر گیا اکارت افسوس ہوا خزانہ غارت
ہے کام کے وقت کام اچھا
اور کھیل کے وقت کھیل اچھا





[illegible]

اتفاقات زمانہ کا ہوا میں جو شکار — زندگی ہوگئی میری افلاس نے کر دی دشوار
جستجو ایسے کسی دوست کی تب مجھکو ہوئی — پائیں انجام مرے کام مدد سے جس کی
کامیابی نہ ہوئی اس میں کسی طرح سے جب — آنسو بہنے لگے آنکھوں سے گھبرا کر جب
ہمنشیں کرنے لگے سب ہی محبت سے گریز — غیر تو ایک طرف کرتے تھے اپنے پرہیز
تھا مرے پاس سے دم بھر جنھیں جانا مشکل — ہوگیا ان کو مرا پاس بٹھانا مشکل

بیکسی میں نہ کوئی جب مرے امداد آیا
عقل نے راہبری کی تو خدا یاد آیا

میں نے سوچا کہ ہو کیوں غم کی پروا مجھکو — چاہیے رازقِ مطلق پہ بھروسا مجھکو
جا کے پھیلاؤں کسی دوست کے آگے کیا ہاتھ — پاس ہے دوست مرا ایک مرا دیتا ساتھ
میری امداد کرے گا وہی اس آفت میں — ہے یہ وہ دوست کہ کام آتا ہے ہر حالت میں
کام غفلت سے جو بگڑے ہیں سنوارے گا وہی — بحرِ افلاس میں ڈوبا ہوں ابھارے گا وہی
یہ خیال آتے ہی دل بڑھ گیا ہاتھوں میرا — حوصلے دل کے دیے ہمتِ عالی نے بڑھا

پھر کسی کام کے کرنے میں مجھے عار نہ تھی
پیش آئی کوئی مشکل تو وہ دشوار نہ تھی

نہ رہا شکوۂ کوتاہیِ قسمت مجھکو — سے اڑی اتنی پہ بھی پر ہمت مجھکو
پھر وہی دوست جو کترا کے چلا کرتے تھے — آشنا وہ کہ نہ بھولے سے ملا کرتے تھے
ہمنشیں وہ کہ جنھیں ننگ تھی صحبت میری — اقربا وہ جنھیں بھاتی تھی نہ صورت میری
آشنائی کا اسی طرح سے دم بھرنے لگے — پھر زبانی وہ زر و مال فدا کرنے لگے
بیوفائی نہ کرے جو نہ کبھی چھوڑے ساتھ — دوست ہے وہ مرا پیارا یہ مرا دہنا ہاتھ

آسرا تو نہ یہاں اور کسی کا کرنا
اِک فقط قوتِ بازو پہ بھروسا کرنا

سید علی حیدر زیدی

۹۳ - میرا خدا میرے ساتھ ہے

ہے ہمیشہ مری خدا پہ نظر — رات ہو دن ہو شام ہو کہ سحر
نہ اُجالے میں ہے کسی کا ڈر — نہ اندھیرے میں کوئی خوف و خطر

کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

شام کا وقت یا سویرا ہو — چاندنی ہو کہ گھپ اندھیرا ہو
نیند نے آندھی نے مجھکو گھیرا ہو — لیک پر ہول دل نہ میرا ہو

کیوں کہ میرا خدا ہی میرے ساتھ

جلد۴

جب کہ طوفان کا ہو سنّاٹا سخت اندھیاؤ کا چلے جھوکا
جڑ سے پیڑوں کو دے اکھیڑ ہوا میرے دل میں نہ خوف ہو اصلا

کیوں کہ میرا خدا ہی میرے ساتھ

ٹوٹ کر آسمان سے تارے شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے
وہم کرتے ہیں لوگ بیچارے میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے

کیوں کہ میرا خدا ہی میرے ساتھ

جب ستارہ طلوع ہو دُمدار دُم ہو ایسی کہ چھوٹتا ہے انار
سب پہ طاری ہوں خوف کے آثار میرے بھانویں مگر نہ ہو زنہار

کیوں کہ میرا خدا ہی میرے ساتھ

میری رستہ میں ہو اگر میدان یا پڑا نا کھنڈر کوئی سنسان
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستان نہ خطا ہوں وہاں میرے اوسان

کیوں کہ میرا خدا ہی میرے ساتھ

ہو بیابان میں گزر میرا یا سمندر پہ ہو سفر میرا
دُور رہ جائے مجھ سے گھر میرا ہے پھر بھی قوی جگر میرا

کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جلد۲

جب کہ دریا میں آئے طغیانی اور ہاتھی ڈباؤ ہو پانی
پار کھیوا نہ ہو بہ آسانی مجھکو اندیشہ ہو نہ حیرانی
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

لشکروں کی جہاں چڑھائی ہو شہسواروں نے باگ اٹھائی ہو
اور گھمسان کی لڑائی ہو واں بھی ہیبت نہ مجھ پہ چھائی ہو
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

اسمٰعیل

۹۴-طرزِ معاشرت

کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں یا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں جہاں سرا میں میہمانوں کی طرح

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر نہیں کرتے نقل کو فرماں ر

نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح   جلد۴

شادمانی میں گزرتے ہیں آپے سے نہیں

غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سو

رہتے ہیں پر خیال پیری میں جوانوں کی طر

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی

پر بھلا تکتے ہیں اک کا یگانوں کی طرح

ان کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہ

مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طر

کام سے کام اپنے ان کو گو ہو عالم نکتہ چیں

رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ و

دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی ط

کیجیے کیا حالی نہ کیجیے سادگی گر اختیار

بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

جاں ۱۴۳

۹۵۔ تحفظ تعلقات

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ — مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
تکلف علامت ہے بیگانگی کی — نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے — نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے — نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا — مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن — جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا — نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم — نہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا — مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر — نہیں ہے بس اب اس سے مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیرے حالی
الاپیں نہ بس آپ وحدت زیادہ

حالی

جلد ۴

۹۶ - بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو — ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز — جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت — تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اُٹھو نہ جب تک — کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پہ — تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جب تو — کہ بس ٹھن گئے عزم جنگِ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر — تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
پڑا تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو — کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی — رہیں پاؤں کے ہوش جس میں نہ سر کے

جو کھانا تو بے حد جو پینا تو وات گت
غرض یہ کہ سرکار ہیں بیٹ بھر کے

حالی

جلد ۴

۹۷۔ شرکتِ محفل

تو ہمیشہ رہتا ہو چیں بر جبیں افسردہ دل / پھر کسی کی بزمِ عشرت میں نہ جا بہرِ خدا
خود ہی اپنی جاں سے ہو بیزار تو انصاف کر / تجھ سے اہلِ بزم پھر کس طرح خوش ہونگے بھلا
چاہیے اس طرح جانا محفلِ احباب میں / باغ میں جس طرح خوش خوش آتی ہے بادِ صبا
خیر مقدم کا اشارہ جھوم کر کرتی ہے شاخ / اور چٹک کر دیتی ہیں کلیاں صدائے مرحبا
جس شجر کے پاس سے گزری لگا وہ جھومنے / پہنچی جس غنچے تک افسردہ تھا وہ ہنسنے لگا
دل پہ جو گزری وہ گزرے کیوں کسی کو ہو خبر / سب سے بڑھکر ہے خدا تو حالِ دل کا جانتا

شادی و غم جب کہ دونوں ہیں جہاں میں بے ثبات
وقت اپنا کاٹ دے ہنس بول کر مردِ خدا

طباطبائیؒ

۹۸۔ آدابِ محفل

جائے گر محفل میں تو اے مہرباں / بیٹھ اپنے مرتبہ سے تو وہاں
اور نہ مسند پہ یکایک بیٹھ جا / تا اُٹھا دیوے نہ کوئی دوسرا

جلد۲

خندہ زن ہرگز نہ ہو ہر بات پر
قدر کم ہوتی ہے خفت بیشتر

اور اپنی واں ثنا خوانی نہ کر
دیدہ و دانستہ نادانی نہ کر

کر نہ تو تعریف محفل میں اخی
اپنی تصنیفات اور فرزند کی

محفل غم میں نہ کر ذکر سرور
زہر میں شکر ملا تا کیا ضرور

ہو کہیں گر محفل شادی عیاں
کر نہ غم کا ذکر واں اے تنگدل

اور لوگوں کا نہ کر قطع کلام
تھام شمشیر زباں کو اپنی تھام

ریش سے بازی نہ کر اے ارجمند
اپنے کو ہے خود بنانا ریش خند

اور نہ چٹخا انگلیوں کو بار بار
ہے زبوں یہ فعل سن اے ہوشیار

کہہ دیے ہیں قاعدے تجھ سے یہ سب
بیٹھ محفل میں تو ہر دم با ادب

شایق

۹۹۔ کلمۃ الحق

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو
اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو

شے تجھ سے کوئی کڑوی نہ ہو گی
حنظل میں ایسی تلخی نہ ہو گی

جلد۲

ہے ناگواری پہچان تیری — "الحق مُرّ" ہے شان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے — چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے توڑائے — باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
بے جرم مسموم تو نے کرائے — سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے
تو نے صلے میں بخشے ہیں اکثر — سولی کے اور نگ کانٹوں کے افسر
خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے — رنگین لہو میں ہیں ہاتھ تیرے
تیری جلو میں رسوائیاں ہیں — سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں
تدبیر ہے تو ناکامیوں کی — تقریب ہے تو بدنامیوں کی
تو آشتی کی رہتی ہے دشمن — تو مصلحت سے رکھتی ہے اَن بَن
قطع و برش ہے تاثیر تیری — رہتی ہے ننگی شمشیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر — دفتر محبت سے ہوتے ہیں ابتر

پڑتی ہے ہلچل ہر مرحلے میں
آتی ہے دنیا اک زلزلے میں

اے راست گوئی اے تیغ برّاں — تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب نے حشمت آگیں مضموں ہیں تیرے — نیت مصلحت پر شنجیدہ ہیں تیرے

جلد۴

گن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں — وہ تیری دھن میں آخر ہوئے ہیں
اٹھتی ہیں دل سے جب تیری موجیں — ہوتی ہیں نازل واں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمت اُس کو سہارے — کرتی ہے امید پنہاں اشارے
عزم اُن کی مشکل کرتا ہے آساں — دل ان سے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں — ہے روز روشن ان کی نظر میں
زور ان پہ تیرے ہیں آشکارا — مٹھی میں ان کے عالم ہے سارا

عظمت جہاں ہے تیری سمائی
پربت وہاں ہے نظروں میں رائی

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں — منکر بھی دل سے ہے جس پہ مفتوں
تجھ میں ہیں تیری طرفہ مزا ہے — ہر دل میں جچتی تیری ادا ہے
تو نے جہاں دی آواز جا کر — لاکھوں سر اُٹھے تیری صدا پر
ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری — بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں — جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
بنتے ہیں دشمن انصار تیرے — ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم — ہیں گدگداتے دل ان کے ہر دم

جوں جوں وہ ذرے سے کرتے ہیں دوری ضرب ان پہ تیری پڑتی ہے پوری

جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر گرتا ہے آخر کچھ دور جا کر جلدہ

تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے

بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ جائیں گے بچکر تجھ سے کہاں وہ

دیتی ہے اوّل تو زخم کاری مرہم کی آخر آتی ہے باری

جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا تو چھیڑتی ہے واں ذکر دریا

زہر اس عسل کو تو ہے بتاتی جس میں حلاوت ہے سب کو آتی

اس نیش میں تو کہتی شفا ہے نیش اجل کا جس میں مزا ہے

طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر بیڑوں میں چرچا کرتی ہے جاکر

پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو آگ آگ کا غل کرتی ہے واں تو

جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل ترشی ہے تیری طینت میں داخل

یاں نام تیرا جس نے لیا ہے
عالم کو اپنا دشمن کیا ہے

اے راست گوئی اے ابر رحمت ہے اس چمن میں سب تیری برکت

عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے

جن بستیوں میں تو چھائی — کھیتی انہی کی یاں لہلہائی
بند اپنی جس جا تو نے زباں کی — نکہت نے منزل آ کر وہاں کی
ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت — سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو — مہکی ہے اکثر یاں تیری خوشبو
گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے — پر تیری دارو صحت فزا ہے
گو علم کی ہے تو زندگانی — پر جہل تیرا دشمن ہے جانی
جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں — ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر — اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر

ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں
قوموں نے تجھ سے بدلے لیے ہیں

اے کلمۃ الحق اے سرِ یزداں — جس وقت ہو تو پردے سے عریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے — دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے

عالم ہو تیرا جب ناشناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

حالی

جلد۴

۱۰۰۔ حیا

او حیا او پاسبانِ آبرو
نیکیوں کی قوتِ بازو ہے تو

پاکدامانی پہ تجھ کو ناز ہے
کیا ہی تیرا دلپسند انداز ہے

جب سمائی آنکھ میں تو مثلِ نور
بدنگاہی سے رہی وہ آنکھ دور

دامنِ عصمت کو تو رکھتی ہے پاک
ہے سدا جرم و گنہ سے تجھ کو باک

گر نہ ہوتا درمیاں تیرا حجاب
فعلِ بد سے کون کرتا اجتناب

جب خطا کرتی ہے دل میں شور و شر
تو ہی بن جاتی ہے واں سینہ سپر

ذلت و خواری تجھے بھاتی نہیں
تابِ رسوائی کی تو لاتی نہیں

تو مذلت کو سمجھتی زہر ہے
اور ملامت تیرے حق میں قہر ہے

مفلسوں کی ہے تو ہی پشت و پناہ
تو سجھاتی ہے عرق ریزی کی راہ

گو تہیدستی سے ہو جائیں نزار
ہے مگر تجھ کو گدائی ننگ و عار

ہے ترے نزدیک مرجانا پسند
پر نہیں ہے ہاتھ پھیلانا پسند

اس قدر تجھ کو نہیں پروائے ناں
جس قدر تو آن پر دیتی ہے جاں

آبرو کھوتی نہیں از بہرِ قوت
لب پہ بن جاتی ہے تو مُہرِ سکوت

اغنیا کے دل کو گر ماتی ہے تو　　بخل اور خست سے شرماتی ہے تو

جلد ۲ تو ہی سکھلاتی ہے ان کو بذلِ مال

زخمِ خنجر ہے تجھے ردِّ سوال

اسمٰعیل

۱۰۱۔ رحم و انصاف

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا　　کیا سبب ہے کہ ہے دنیا میں ترا نام بڑا

نیک نامی سے تری سخت تحیّر ہے ہمیں　　ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں

دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں　　آنکھ میں تیری مروّت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں　　دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں

لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوشِ غضب　　تجھکو ترددوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا　　تجھ سے تھراتے ہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا

جان پہچان کا ساتھی ہے نہ انجان کا دوست　　یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست

نہیں جائز تری مذہب میں کسی کی امداد　　تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبتِ دیرینہ بھلا دیتا ہے　　دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے

طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا — تجھ سا روکھا کوئی دنیا میں دیکھا نہ سنا

ہٹ پہ تو اپنی جہاں نامِ خدا آجائے — باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوا دے جلد۲

ایک تو ہی کہ یگانوں کے ہیں دل تجھ سے فگار

ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا — فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا

حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں — خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں

مری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب عذر قبول — میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول

لطف ہے عام سدا اہلِ خطا پر میرا — ہاتھ اٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا

مجرئی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں — بخشش و جود ملازم مری سرکار کے ہیں

میں ہر اک درد میں ہو جاتا ہوں انساں کے شریک — میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جاکر — میں ہی لیتا ہوں بُرے حال میں رانڈوں کی خبر

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی — میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمودِ بشری

ورنہ انساں کہ ہے جرم و خطا کا پتلا — میں نہ ہوتا تو بھلا اس کا ٹھکانا کیا تھا

تجھ سے ہوتے اگر اے عدل جہاں میں دو چار

لٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب — کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اس کا جواب

بلدیہ

آپ کے نیکیوں سے کس کو ہے انکار یہاں — کیوں کہ ہے ذکر جمیل آپ کا مشہور جہاں

مگر اے رحم برا ماننے کی بات نہیں — نیکیاں آپ کو کردیں نہ یہ بدنام کہیں

ہم نے مانا کہ مروّت بھی بڑی ہے اک چیز — پر مروّت کے لیے شرط ہے اے دوست تمیز

کھو دیا جس نے مروّت کو یہاں عام کیا — اس کو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول بیٹھے نہیں آفت کے یہ پرکالے ہیں — اس مروّت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستوں کو ہے اشارہ کہ کسی سے نہ ڈرو — دشمنوں سے یہ مدارا ہے کہ جا ہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری — لیے پھرتی ہے اچکّوں کو حمایت تیری

ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرماں — اس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویراں

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید — اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

لڑکے استاد کی گھرکی کو نہیں مانتے کچھ — بدمعاش اہل پولیس کو نہیں گردانتے کچھ

اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو بیوپار — سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اک بازار

پیٹ پکڑے ہوئے وہاں پھرتے ہیں حاجت والے — اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروّت سے انھیں خوفِ مآل — بول کیا لایا ہے اظہار کا پہلا ہے سوال

ہر طرف بیچ میں دلّال ہیں کچھ چھوٹے بڑے — دونوں ہاتھوں سے غرض منڈی کو ہیں لوٹتے

یوں تو ہے اے رحم تیری ذات میں جوہر بہت
خیر تھوڑی ہے مگر آپ میں ہیں ور شر ہیں بہت

ایک رہزن کو جو تو قید سے چھڑواتا ہے
بیسیوں قافلوں کو جان سے لٹواتا ہے جلد ۴

باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
بے ادب کرنا اسے چاہتا ہے تو گویا

مار پیٹ اٹھنے نہیں دیتا جو استاد کا ہاتھ
یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری زہر ہلاہل ہے بھرا
تیرا آغاز تو اچھا ہے پہ انجام برا

کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم
اپنے اندازے سے باہر نہ نکلتا اے رحم

بے مروت ہوں اگر میں تو یہ جوہر ہے مرا
جس کو تو عیب سمجھتا ہے وہ جوہر ہے مرا

راستبازی جو سنی ہو وہ طبیعت ہے مری
اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری

معتدل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے
بھاگ اس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے

حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری
رائے سے میری بنیں سلطنتیں جمہوری

مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے
راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے

جس طرح ظلم کا میں رحم روادار نہیں
میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں

سر ذرا جس نے اٹھایا اسے کھو کر چھوڑا
باپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا

کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم
دم نہیں مارتی واں تیری مروت اے رحم

وہاں تعصب کا پتہ اور نہ عداوت کا گزر — نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر

بلدہ حکم جاری ہے جدھر دیکھیے آزادی کا — بڑھ کے چلتا نہیں ان شاہ سے لے تا بہ گدا

پاکبازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا — جو کہ گنونڈے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا

ہیں خطاکار کے دشمن در و دیوار یہاں — بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں

اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن — غم نہیں اس کو ہو گر سارا زمانہ دشمن

جو ہنرمند ہیں دل ان کے بڑھاتا ہوں میں — خوبیاں ان کی زمانہ میں جتاتا ہوں میں

بے ہنر ہو کسی پیرائے میں یہاں جلوہ نما — عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا

یہاں نہ استاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار — اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم — مستمندوں کی طرح کرتے ہیں اس کو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا — بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

اونچے اونچوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری — اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری

محنتی جتنے ہیں یہاں خرم و دلشاد ہیں سب — خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب

اہلِ مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے — زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے

جس طرف جائیے گا امن و امان کا ہے عمل
فتنہ سر حد سے مری جاتا ہے کترا کے نکل

گفتگو ختم یہ انصاف کی جب آ پہنچی / عقل پرکار قضا کار وہاں آ پہنچی

واں جو دیکھا تو ہیں دو بھائیوں میں کچھ تکرار / اور ہر اک کو بزرگی پہ ہے اپنے اصرار جلد۴

رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز / اور ادھر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز

عقل نے دونوں کی تقریر سنی سرتاپا / کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب ان کو دیا

خیر اک کان ہے تم جس کے ہو جوہر دونوں / ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونوں

صاف کہتی ہوں سن اے رحم نہیں اس میں خلاف / تو ہے اک قالب بے روح نہ ہو گر انصاف

اور سن اے عدل نہیں اس میں تکلف سرمو / گر نہ ہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو

دونوں تم خلق کے ہو مایۂ آرام و شکیب / گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب

سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو / ورنہیں مانتے گر بات مری تم جانو

ابھی اک نکتہ میں تم دونوں کو جتلاتی ہوں / لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں

میں تو سمجھی تھی کہ فرزانہ و دیرکار ہو تم / پر تمہیں دیکھ لیا جیسے سمجھدار ہو تم

فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو
جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو

وہی اک شی ہے کہ ہے عدل کہیں نام اس کا / کہیں مظلوم کی فریاد رسی کام اس کا

رحم کہلائے جو مظلوم کی فریاد سنے / عدل ٹھیرے جو سزا ظالم بے رحم کو دے

وہی شفقت ہے کہ استاد کی ہے مار کبھی — اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی
جلد
وہی شفقت ہے کہ ہے گھر کی کہیں پیار کہیں — وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں
کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے — اور کہیں قہر کے پردے میں نہاں ہوتی ہے
کہیں وہ قند مکرر کا مزا دیتی ہے — اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے
یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے — یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے
رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی — اور وہیں ساتھ ہی حالی نے شہادت اس کی
رہی باقی نہ فریقین میں جائے انکار — چار ناچار کیا ایک جہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسے کہ تھے گویا ایک
مل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

حالی

۱۰۲۔ حکمت

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش — کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہ نما
بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف — ہلال عید ہو عالم کا کیوں کہ روزہ کشا
جو ناتواں نہ کریں دستگیری دشمن — تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

جفائے دہر گرے سنگ دل کو نازک دل
بنے ہی شیشہ جہاں میں گداز ہو خارا

نہیں ہی کام مجھے شعر و شاعری سے لے
خرد نے مجھ کو نصائح سے بارہا یہ کہا جلد۲

زباں پہ لا سخنِ خوب تو نہ رکھ دل میں
کہ اُس گہر کی نہیں قدر جو صدف میں رہا

مرے سخن کی مرے بعد زیادہ ہووے قدر
گہر یتیم جو ہووے تو ہو فزودہ بہا

کسی کی دل شکنی سے جو خوش کریں دل کو
وہ کون لوگ ہیں کیسے ہیں کیا ہیں مجھکو بتا

مرے شکست ہی اس فقیر کو بھاوے
قدم طمع کا اگر توڑے سنگ استغنا

برنگ عکس سبک سار بحرِ دنیا میں
تو رہ کہ موجِ حوادث نہ دیوی تجھکو بہا

سودا

۱۰۳۔ حکمت

نہیں تم کو لازم بُرائی کی باتیں
بھلوں کو ہیں زیبا بھلائی کی باتیں

غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت
کرو منہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں

قفس میں ہی کیا فائدہ شور و غل سے
اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

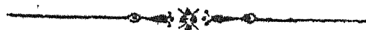
ظفر کیا زمانہ برا آگیا ہے
جدھر دیکھو ہیں واں بُرائی کی باتیں

بہادر

۱۰۴۔ مٹی کا دیا

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

حالی



جلد۴

۱۰۵۔ حکمت

سرزمینِ ہند کا میوہ ہے پھوٹ — بوالہوس گرتے ہیں اس پر ٹوٹ ٹوٹ
بیٹھ کر کالج میں انگریزی علوم — رٹ لیے لیکن نہ پایا ان کا روٹ
جا کہیں سے مول لا عقلِ فرنگ — کیا ہوا پہنا اگر ڈاسن کا بوٹ
صانعِ قدرت نے بھر دیں کس قدر — صنعتیں یورپ کے سر میں کوٹ کوٹ
بے ہنر ہاتھوں میں ہیں بیکار سے — مالوے کی روئی بنگالے کا جوٹ
زالِ دنیا کی نمائش دیکھ کر — اچھے اچھوں کا وضو جاتا ہے ٹوٹ
سچ کی پاؤ گے صدا ہر دم کڑی — آخرش جیبی بول ہی جاتا ہے جھوٹ

کیا ہمارے شعر اور کیا شاعری
گاہے ماہے اور وہ بھی جھوٹ موٹ

اسمٰعیل

۱۰۶۔ حکمت

ممکن ہے کہ ٹل جائے جبل اپنے مقر سے — لیکن کبھی تبدیل جبلت نہیں ہوتی

ہو جان کی جوکھوں بھی اگر راہِ طلب میں　　پست اس سے اولوالعزم کی ہمت نہیں ہوتی
خلوت میں بھی لاتے نہیں عاقل اسے منہ پر　　جو بات کہ شائستۂ جلوت نہیں ہوتی
ہم کرتے ہیں عادت کی غلامانہ اطاعت　　اصلاح پذیر اس لیے عادت نہیں ہوتی
بیتے کی طرح جو کوئی محکوم ہوا ہو　　اس شخص کی دنیا میں کہیں بیت نہیں ہوتی

ڈھاتی ہے قیامت یہی خونخوار جہاں میں
کچھ غم نہیں ہوتا جو محبت نہیں ہوتی

لو جان بیچ کر بھی جو فضل و ہنر ملے　　جس سے ملے جہاں سے ملے جسقدر ملے
جب چشم آز چھوٹ گئی سب خلش مٹی　　اب سنگریزہ ہاتھ لگے یا گہر ملے

ممکن نہیں بغیر قناعت فراغ بال
ہر چند تودہ تودہ تجھے سیم و زر ملے

غیر توکل نہیں چارہ مجھے　　اپنے ہی دم کا ہے سہارا مجھے
حرص و طمع نے تو ڈبویا ہی تھا　　صبر و قناعت نے ابھارا مجھے

فرصتِ اوقات ہے بس مغتنم
یہ نہیں ملنے کی دوبارہ مجھے

اسمٰعیل

۱۰۷- حکمت

ابن مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی — نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی — بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند — کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے — اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

غالب

۱۰۸- گل

تجھے کیا فکر ہے اے گل دلِ صد چاک بلبل کی — تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے
اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا — جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے
تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں — تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ ہو منت کشِ ساقی نگوں جام و سبو کر لے

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھکو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگِل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

اقبال

۱۰۹- میاں

ہم نے یہ مانا کہ واعظ ہے ملک
آدمی ہونا بہت مشکل ہے میاں

چاہیے پیش از نماز آنکھیں کھلیں
حیف اس کا وقت جو غافل ہے میاں

دل لگی اتنی جہاں میں کس لیے
رہ گزر ہے یہ تو۔ کیا منزل ہے میاں

بے تہی دریائے ہستی کی نہ پوچھ
یاں سے واں تک سو جگہ ساحل ہے میاں

چشمِ حق بیں سے کرو تم ٹک نظر
دیکھتے جو کچھ ہو سب باطل ہے میاں

دل کی پامالی ستم ہے قہر ہے
کوئی یوں دلتا ہے۔ آخر دل ہے میاں

مستعدوں پہ سخن ہے آج کل
شعر اپنا فن۔ سو کس قابل ہے میاں

کی زیارت میرؔ کی ہم نے بھی کل

لا اُبالی سا ہے پر کامل ہے میاں

میرؔ

۱۱۰ - خدا کی خدائی

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
مرو کس کا ہے یہ خشان و ختن کس کا ہے

دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیتِ حزن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر
تم میں وہ بات اے گل و نسرین و سمن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اسکی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغِ چمن کس کا ہے

واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالیؔ دونوں

دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

حالیؔ



۱۱۱- ترکِ دنیا

کل ایک تارکِ دنیا سے میں نے پوچھا ذوق
کہ تو اُکھڑ کے ادھر سے اُدھر ہوا پیوست

گزرتی ہوگی بآرام زندگی تیری
کہ تجھکو اب نہ غمِ نیست ہے نہ شادیٔ ہست

کہا یہ اس نے کہ قیدِ حیات میں انساں
کبھی نہ ہوگا دل آسودہ گو ہو مستِ الست

اُٹھائے ہاتھ جہاں سے ولیک کیا امکاں
کہ با فراغ کرے کنجِ عافیت میں نشست

چھٹا جو کوئی گرفتاریوں سے دنیا کی
تو سلسلہ میں فقیری کے پھر ہوا پابست

رہا وہ خدمتِ مرشد کی قید میں برسوں
کہ حق پرست ہو وہ پہلے جو ہو پیر پرست

گر ایک عمر میں پہنچا مقام اعلےٰ پر
کہا یہ شوق نے ہو ہمت بلند نہ پست

جو دستگاہ تصوف میں بھی ہوئی اس کو
تو یہ ارادہ رہا اور بھی ہوں بالا دست

ہمیشہ جنگ رہی بعد صلحِ کل کے بھی
کہ نفس دشمنِ سرکش ہے اس کو دیجے شکست

جو ہوشیار ہے تو وہ ہے شرع کا پابند
پھنسا ہوا ہے وہ کیفیتوں میں گر ہے مست

نہیں ہے دامِ علائق سے مطلق آزادی
مجال کیا کہ نکل جاوے کوئی کرکے جست

کہا ہے خوب کسی نے یہ شعر برجستہ ق
گیا زباں سے نکل اس کے جیسے تیر از شست

کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد
بریدہ زہمہ باخدا گرفتارست

جلد ۲

۱۳۹- اتفاق اور نفاق

منزلِ ہستی کا ہوں میں رہنما
کچھ نہ ہو لے پھوٹ اگر میں نہ ہوں

میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں
زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں

دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا
قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا

ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصارِ حصیں
ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں

مجھ سے ہے ہر قوم اعانت طلب
کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب

قوموں کے اقبال کی میں ہوں دلیل
میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل

میرا ہے جس ملک میں جاری عمل
واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

ملک ہیں آباد مری ذات سے
یمن ہے اک میری کرامات سے

الحذر اس وقت سے اے اتفاق
آن کے جب کہتی ہوں میں الفراق

آ گئے اس قوم کے بس دن بُرے
حق نے کیا جس پہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں
شیروں کو کر دیتی ہوں روباہ میں

آگ یہ گویا کہ ہوں بارود میں
قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں

ہو گیا جس ملک میں یاں میرا راج   قحط و با کی نہیں واں احتیاج
قحط و با کرتے ہیں جانیں تلف   کھوتی ہوں میں قوم کا عز و شرف
دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا
کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حالی

۱۱۳۔ جہالت

سیکڑوں گھر جہل نے گھالے ہیں یاں   پڑ گئے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یاں
جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں   ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں
ٹھیک نہیں سوجھتی واں کوئی چیز   نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز
قوم کی تعریف نہیں جانتے   اپنی حقیقت نہیں پہچانتے
کر نہیں سکتے وہ حقائق میں غور   کہتے ہیں جڑ اور ہے ٹہنی ہے اور
جانتے دریا کو ہیں اک شے جدا   قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جدا
پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا   ہے انہیں قطروں سے وہ دریا بنا
بس یہی ان کی غلط کاریاں   دیتی ہیں پہنچا اسے کشتہ زیاں

ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پر — تولنے لگتا ہے اسی پہ تبر

چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ — کانٹے اسی راہ میں بوتا ہے وہ

پینے کا جو اس کو ہے جاں بخش جام — زہر ملاتا ہے اسی میں وہ خام

حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں

جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

حالی

۱۱۴۔ خودپسندی

کہتے ہیں اک امیرزادہ کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیرزادوں میں — لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب تھیں

گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی — اس پہ تھا خودپسند اور خودبیں

کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ — علم تیر و کماں میں اپنے تئیں

واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہوگیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں — جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں

مشق تیرافگنی میں تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسیں

آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال — وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

تیر جتنے کمان سے چھوٹے | پائے سب نے اصول بے آئیں
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا | تیر آ ماجگہ کے کوئی قریں
ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے شمال | ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے یمیں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی | رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا | لوگ کرتے رہے چنان و چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر | کوئی تجھ کو جنوں ہے ای مسکیں
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے | یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جانِ حزیں
عرض کی چارہ کیا ہے اس کے سوا | جب کہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی | کہیں جاندار کو امان نہیں

مجھ کو پھر پھر کے شش جہت میں حضور
امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

حالی

۱۱۵۔ سخت گیری

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر | در گزر تھی اور نہ ساتھ ان کی رعایت تھی کہیں
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی ان کی معاف | کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی ان کے تئیں

حسنِ خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار — ذکر کیا نکلے جو چھوٹے منہ سے اس کے آفریں
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتی تھی جب اس سے دوچار — تھی بھویں منہ چڑھا ماتھے پہ بل ابرو پہ چیں جلد ۴
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لیے کوئی فتوح — آکے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں
رہتا تھا اِک اِک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس — فرض جس میں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعیں
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار — زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں
حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں — تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
واں سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا ذمہ دار — تھیں کڑی جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لاجواب — تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستیں
ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار — تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازنیں
دفعتاً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار — اور گرا اسوار صدرِ زیں سے بالائے زمیں
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب — کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آکر معیں
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا — دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعیں

دور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا
"دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں"

حالی

۱۱۶۔ خودسری

جلد ۴

ہے بیمار تو لیک بچنے کے قابل گر اپنی خطا کو خطا جانتا ہے
مگر ایسے نادان کا کیا ٹھکانا کہ جو درد ہی کو دوا جانتا ہے
بُرا مانتا ہے جو سمجھائے کوئی بُرائی کو اپنی بھلا جانتا ہے
وہ انجام کو رُوئے گا سر پکڑ کر
نہیں اس میں دھوکا خدا جانتا ہے

اسمٰعیل

۱۱۷۔ شہ کو نصیحت

کسی گدا نے سنا ہے یہ ایک شہ سے کہا "کروں میں عرض گر اسکو نہ سرسری جانے
امورِ ملکی میں اول ہے شہ کو یہ لازم گدا نوازی و درویش پروری جانے
مقامِ عدل پہ جس دم سریر آرا ہو ہر ایک خرد و کلاں میں برابری جانے
جو شخص نائب داور کہائے عالم میں یہ کیا ستم ہے نہ آئینِ دادری جانے
سوائے ان سخنوں کے جو تاج زریں کو خیال اپنے میں سر دھر کے سروری جانے
یہ فخر تاج تو یوں نزدِ فہم ہے جس طرح
خروس آپ کو سلطانِ خاوری جانے

سیماب

معارفِ ملّت

جلد چہارم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں، اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکر گزاری ہو گا۔

۱۔ آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت سنہ [illegible] وطن لکھنؤ وفات سنہ [illegible] مدفن لکھنؤ

صفحہ

صفحہ

۲۔ احمدی نواب غلام احمد خاں صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۹ء وطن ضلع کرنال وفات ۱۹۰۰ء مدفن علی گڑھ

۳۔ آزاد ۔ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دہلی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

۴۔ اسمٰعیل ۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

۵ - اقبال ڈاکٹر سر محمد اقبال

ولادت ۱۸۷۷ء وطن سیالکوٹ

۶ - اکبر سید اکبر حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد وفات ۱۹۲۱ء مدفن الہ آباد

صفحہ ضمیمہ جلد ۲

۱۱- جوہر مولوی محمدؒ علی صاحب بی اے (آکسن)

۱۲- جوہر محمدؒ شفیع خاں صاحب

۱۳- حالی خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

صفحہ

صفحہ

ضمیمہ جلد ۲

صفحہ

۳۳ - ہوس مرزا محمد تقی خاں صاحب مرحوم لکھنوی

۳۴ - متفرق

یہ بالیم

آ

محمد الیاس برنی ایم اے

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صدیقین اکابرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور ان کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لب لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن توحید اور اس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب، کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ ایک ہی نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہو جاتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں ان کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے قابل دید حجم تقریباً ۵۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (سے ر) علاوہ محصول۔

میات

Econom) پر اُردو میں یہ سب سے

بے مشکل معاشی اُصول و مسائل کو ایسے

سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو دوسرا ایڈیشن بنظر ثانی شائع ہوا ہے۔ قیمت

(۲) معیشت الہند۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی

اصلاح و ترقی کے واسطے ازحد ضروری ہی کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہی۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اُصول و مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہی۔ یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہو رہی ہی۔

(۳) **مالیات** ۔ پبلک فنانس (Public finance) پر اردو زبان میں سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہی مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہی۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہی یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ ازحد ضروری ہی ضخامت تخمیناً ۰۰ ۵ صفحہ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمات المعاشیات** ۔ مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس

اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول بہ آسانی بیان کیے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۴۵۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے

(۵) **معاشیات ہند** مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس Indian Economics کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کیے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے

(۶) **برطانوی حکومت ہند** انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش ایڈمنسٹریشن ان انڈیا British Administration in India کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

ملنے کا پتا: محمد مقتدی خاں شروانی علی گڑھ

Professor Elyas Burny's
Other Urdu Works

1. **Ilmul-Maeeshat**—On Principles of Economics—over 800 pp.

2. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics—about 800 pp. (in press)

3. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pp. (under preparation)

4. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation Moreland's Introduction to Economics.

5. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

6. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**— Translation of Anderson's British Administration in India.

7. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pp.

Volume III ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV ... Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series, in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and gauge the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,
Osmania University, Hyderabad (Deccan).

December, 1924.

SELECTED URDU POEMS SERIES

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-Books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three Volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been pubished in

Maarif-e-Millat

VOL IV

Selected Urdu Poems Series

Maarif-e-Millat

Edited by

MOHAMED ELYAS BURNY
M. A., LL. B. (ALIG.)
Osmania University
Hyderabad (Deccan)

VOL. IV

3rd Edition Price Re 1